رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۴۰)
جلد (۴) عدد (۱)

رجسٹرڈ نمبر ایم (۲۹۵۰)
محرم الحرام ۱۳۵۳ھ

۷۸۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقایق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (صہ)　　بیرون ہند کے لئے (سے)　　قیمت فی پرچہ (۸/)

مرآۃ المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے

رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ

مثنوی شریف میں حکایات، حکم و معارف، مقولات فلسفیانہ، نصائح و مواعظ اس طرح ایک دوسرے میں ملے ہوئے ہیں کہ مسلسل مطالعہ دشوار ہو گیا ہے، قاضی صاحب موصوف نے سالہا سال کی محنت سے مثنوی شریف کو ایسے طرز بیان پر مرتب کیا ہے کہ یہ دشواری کلیتہً رفع ہو گئی ہے **یواقیت القصص** کے نام سے حکایات کے تمام متفرق اجزا کو اس طرح ایک سلسلہ میں جمع کر دیا ہے کہ کہیں سے کوئی سکتہ باقی نہیں رہا ہے، حکم و معارف کے ساڑھے تین ہزار سے زاید اشعار و قطعات کو تقریباً گیارہ سو عنوانات کے تحت فنی منطقی اصول پر **درر الحکم** کے نام سے یکجا کیا ہے، جو اشعار مطالب قرآنی پر محتوی تھے انہیں ترتیب قرآنی کے بموجب **جواہر القرآن** کے تحت مرتب کیا ہے علی ہذا احادیث نبوی پر مشتمل اشعار کو **لآلی السنن** کے نام سے جمع کیا ہے، آخر میں **مرجانۃ المدیح** کے نام سے ایک مجموعہ ان اشعار کا شامل کر دیا ہے جو مولانا نے اپنے اصحاب کی مدح میں کہے ہیں۔

ابتدائی مفصل فہرست کے علاوہ تین ضمیمے ہیں جن میں سے پہلا ضمیمہ باعتبار مطالب درر الحکم کا اشاریہ ہے دوسرا ضمیمہ کشف الابیات ہے یعنی کسی شعر کے ابتدائی دو لفظ یاد ہوں تو اس شعر کا کتاب میں پتہ چل سکتا ہے تیسرا ضمیمہ فرہنگ ہے جس میں مشکل الفاظ و فقرات کے معانی آسان عبارتوں میں دئے گئے ہیں اس طرح یہ ایسا نادر مجموعہ طیار ہو گیا ہے کہ دیکھنے والے حیرت میں پڑ گئے ہیں کہ یہ کام کیونکر انجام پایا۔

مولانا جلال الدین رومی کے موجودہ سجادہ نشین حضرت برہان الدین عبد اللہ چلپی دام برکاتہ اور ڈاکٹر آر۔ اے۔ نکلسن پروفیسر عربی جامعہ کیمبرج نے اس کتاب پر دیباچے تحریر فرمائے ہیں۔ کتابت، طباعت، کاغذ، جلد سب اعلیٰ پیمانہ پر ہیں کتاب کی ظاہری و باطنی خوبیوں کا اندازہ صرف کتاب کے دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے **قیمت** (عہ) سکہ انگریزی یا (لعہ) سکہ عالی

المشتہر ―― سید عبد القادر تاجر کتب چارمینار حیدر آباد دکن ――

مؤلف سے دار الترجمہ کے پتہ سے بھی کتاب مل سکتی ہے

فہرست مضامین

ماہ محرم ۱۳۵۳ھ جلد ۴ عدد (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ترجمان القرآن کو میری تحریر و ادارت میں شائع ہوتے ہوئے ایک سال ہوچکا ہے، اور اب اس پرچے کے ساتھ اس کا دوسرا سال شروع ہو رہا ہے۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنی کتاب کی خدمت کے لئے جو توفیق مجھ کو عطا فرمائی، اور سخت ہمت شکن حالات میں خدمت کے لئے کمربستہ رہنے کی جو استقامت بخشی، اس کے لئے شکر بجا لانا میرا فرض ہے، اگرچہ میرا شکر اس کے فضل و انعام کے مقابلہ میں بہت حقیر ہے۔ میں نے جن حالات میں اس رسالے کی ادارت سنبھالی تھی، اور بعد میں مسلسل کئی مہینے تک جو مشکلات مجھے پیش آتی رہیں، ان سے یقیناً میرے حوصلے پست ہوجاتے، اگر میرا اعتماد خدا کے بجائے دنیوی اسباب اور خود اپنی قوت پر ہوتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میرا بھروسہ دنیا اور اسباب دنیا پر نہیں بلکہ ہمیشہ خدا پر رہا ہے اور خدا کا یہ سچا وعدہ ہے کہ جو اس پر بھروسہ کرکے اس کی راہ میں صبر و استقامت کے ساتھ سعی کریگا، اس کو آخر کار کامیابی نصیب ہوگی اور خوف و حزن اس کے پاس پھٹک نہ سکے گا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۴۱ : ۳)

یہ زمانہ ہندوستان میں اسلام کے لئے بڑا ہی نازک زمانہ ہے۔ کوئی حکومت موجود نہیں ہے جو زندقہ و الحاد کی اشاعت کو روکتی، مذہب قانون کی طاقت سے محروم ہوچکا ہے۔ زبانیں بولنے اور قلم لکھنے کے لئے آزاد ہیں، حریت ضمیر اور آزادی تحریر و تقریر کا مفہوم یہ سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ان معاملات

میں بھی ہر قسم کے خیالات نہ صرف خود رکھنے بلکہ ان کو پھیلا دینے کی بھی آزادی رکھتا ہے، جن پر اسلامی سوسائٹی اور مسلمان قوم کے اجتماعی نظام کی بنیاد قائم ہے حالانکہ ایسی غیر مقید اور غیر مشروط آزادی انسان کو کبھی اور کہیں نہیں دی گئی ہے۔ کوئی انتہا درجہ کی حریت پسند سوسائٹی بھی آپ کو یہ حق نہ دیگی کہ آپ اس کے دائرہ میں رہ کر ان اصولوں پر حملہ کریں جن پر وہ سوسائٹی قائم ہوئی ہے۔ روس میں رہ کر آپ سب کچھ بول اور لکھ سکتے ہیں مگر اشتراکیت کے خلاف ایک لفظ بھی زبان و قلم سے نہیں نکال سکتے۔ جرمنی اور اٹلی میں آپ کو نازی اور فاسسٹ اصولوں کے خلاف زبان کھولنے یا قلم کو حرکت دینے کی کبھی اجازت نہ دی جائیگی۔ فرانس اور انگلستان میں اگر آپ موجود الوقت اجتماعی سیاسی اور معاشی نظام کے خلاف انقلاب انگیز تبلیغ شروع کریں گے تو قانون اپنی پوری قوت آپ کی اس آزادی کو سلب کرنے میں صرف کر دے گا۔ اس کے باوجود کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ غیر مہذب ہیں، متعصب ہیں، تاریک خیال ہیں۔ لیکن ہندوستان میں روشن خیالی کے مدعی اپنا حق سمجھتے ہیں کہ اسلامی سوسائٹی میں رہ کر اسلام کے اصولی مسائل میں جس طرح چاہیں قطع و برید کریں، ایمانیات پر ضرب لگائیں، اعمال پر حملے کریں، قوانین اسلامی میں ترمیم و تنسیخ کریں، اور اگر کوئی اس پر ٹوکے تو ان کے نزدیک وہ تنگ نظر، تنگ خیال، کٹھ ملا ہے، کیونکہ وہ حریت ضمیر اور آزادی تحریر و تقریر کا حق ان سے سلب کرنا چاہتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ جو حضرات اسلام کی تعلیمات اور اس کے قوانین پر مجتہدانہ شان کے ساتھ کلام کرتے ہیں، ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ علوم اسلامیہ کے مبادی تک سے ناواقف ہیں۔ ان کی تحریروں سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ جن مسائل پر وہ قلم اٹھاتے ہیں، انہیں وہ سرے سے سمجھے ہی نہیں، نہ کافی غور و خوض کی زحمت اٹھائی ہے، نہ تحقیق اور مطالعہ کیا ہے، نہ ان علوم کو حاصل کیا ہے جن کی واقفیت پر ان مسائل کا سمجھنا موقوف ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنا حق سمجھتے ہیں کہ مسند اجتہاد پر جلوہ فرمائیں، اصول و قوانین اسلام میں جیسے چاہیں ترمیم

و تنسیخ کریں اور پھر اپنے اجتہادات کو عام مسلمانوں میں شائع کرکے ان کے عقائد اور اعمال کی تخریب میں کوئی کسر اٹھا رکھیں۔ وہ دنیا کے کسی دوسرے معاملہ میں کافی علم اور تحقیق کے بغیر زبان کھولنے کی کبھی جرات نہیں کرسکتے۔ ان میں یہ جسارت ہرگز نہیں ہے کہ فن طب سے ناواقف ہوں اور کسی مریض کو نسخہ لکھ دیں۔ وہ اتنی جرأت کبھی نہیں کرسکتے کہ قانون سے نابلد ہوں اور عدالت میں وکیل بن کر کھڑے ہو جائیں لیکن اسلام کے معاملہ میں وہ پوری جرأت رکھتے ہیں کہ اس کے ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی جس مسئلے میں چاہیں مجتہدانہ کلام فرمائیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں حاکمانہ قوت کا خوف انہیں اپنی حد سے تجاوز نہیں کرنے دیتا، اور یہاں سرے سے کوئی قوت ہی نہیں ہے جس کا کسی کو خوف ہو۔

اگر اسلام میں دین اور دنیا دو الگ چیزیں ہوتیں، مسیحیت کی طرح چرچ اور سٹیٹ کے حدود جدا جدا ہوتے، بدھ مت کی طرح گرہستی اور دھرم کے دائرے مختلف ہوتے، تو اس کے عقائد اور احکام میں اس قسم کی ترمیم و تنسیخ اور قطع و برید اتنی زیادہ مضر اور خطرناک نہ ہوتی لیکن یہاں تو دنیا اور دین ایک ہیں۔ تہذیب، تمدن، اخلاق، معاشرت، معاملات سب کی بنیاد مذہبی تعلیمات اور احکام پر ہے، انفرادی سیرت، اور اجتماعی نظام دونوں مذہب ہی پر مبنی ہیں پس اگر مذہب میں مسلمانوں کا عقیدہ کمزور ہو جائے، مذہبی تعلیمات پر ان کا یقین و اذعان باقی نہ رہے، مذہبی احکام اور قوانین کی گرفت ان پر ڈھیلی پڑ جائے تو آخرت میں جو کچھ ہونا ہے۔ وہ تو ہوگا ہی، مگر اس دنیوی زندگی میں بھی ان کے لئے بجز تباہی و بربادی کے اور کچھ نتیجہ نہیں ہے۔ اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ ان کے افراد کی سیرتیں کمزور ہو جائیں گی۔ ان کے اخلاق بگڑ جائیں گے، ان کے معاملات درست نہ رہیں گے، ان کی سوسائٹی کا نظام درہم برہم ہو جائیگا، اور پوری کی پوری قوم دنیا میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے گی۔

جس تحریک کے نتائج اتنے خطرناک ہوں، اس کو محض چند افراد کی حریت ضمیر اور آزادی تحریر و تقریر کی۔

خاطر کیونکر گوارا کیا جا سکتا ہے؟ اجتماعی مفاد کے لئے انفرادی مفاد اور حقوق کی قربانی نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے لہٰذا اگر وہ اسلامی جماعت کا جزو بنکر رہنا چاہتے ہیں، تو انہیں اپنی اس آزادی کو قربان کرنا پڑے گا، اور اگر اسے قربان کرنا نہیں چاہتے تو بہتر ہے کہ اسلامی جماعت سے نکل جائیں، پھر جو چاہیں لکھیں۔ جماعت کے اندر رہ کر اس کی جڑوں پر کلہاڑی مارنے کی آزادی کسی طرح بھی ان کا حق نہیں ہے۔

ہمارے نئے زمانے کے ارباب تحقیق و اجتہاد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے علم و فضل اور عقل و خرد کا سارا زور صرف تخریب پر صرف فرماتے ہیں تعمیر کی طرف انکی توجہات کبھی مبذول نہیں ہوتیں۔ صدیوں سے جن اصول و مسلمات پر اسلامی سوسائٹی کی عمارت قائم ہے ان کو وہ اپنے اجتہاد سے توڑ دینا چاہتے ہیں لیکن اپنی طرف سے کچھ دوسرے اصول اور قوانین نہیں پیش کرتے جن پر اعتقاد و عمل کی بنا رکھی جائے، اور اجتماعی نظام کی نئی عمارت بنائی جاسکے۔ اس تخریب بلا تعمیر کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلمان قوم کو فکر و عمل کی انارکی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ اس قوم کے نظم اجتماعی کو پارہ پارہ کر دیا جائے، اور کوئی ایسا رشتہ باقی ہی نہ رکھا جائے جو ان منتشر پاروں کو پھر سے منظم اور مرتب کر سکتا ہو۔ ممکن ہے کہ وہ بالقصد ایسا نہ کر رہے ہوں، ہو سکتا ہے کہ انہیں اپنے تخریبی کام کے ان نتائج کا شعور نہ ہو۔ لیکن شعور اور عدم شعور سے افعال کے نتائج میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ خواہ کوئی شخص بلا ارادہ و بلا عمد کسی مکان میں آگ لگائے، یا بالارادہ اور بالعمد، دونوں صورتوں میں مکان ضرور جلتا ہے، اور تباہی بہرحال ہوتی ہے۔ پس اگر یہ تخریبی نقد و اجتہاد محض ایک طفلانہ کھیل ہے جس کے خطرناک نتائج سے یہ نابالغ بچے ناواقف ہیں، تب بھی ایسی خطرناک آتش بازی سے ان کو جبراً روک دینا ضروری ہے، خواہ وہ کھیلنے کی آزادی کو اپنا کیسا ہی مقدس "حق" سمجھتے ہوں۔

بلاشبہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دل سے مسلمان ہیں اور اسلام پر سچا اعتقاد رکھتے ہیں مگر بعض مسائل میں

ان کو شکوک عارض ہو گئے ہیں، یا بعض امور میں ان کا دل اس اعتقاد اور اُس مسلک پر نہیں ٹھکتا، جو جمہور اہل اسلام کا اعتقاد اور مسلک ہے۔ ایسے حضرات یقیناً حق رکھتے ہیں کہ اپنے شکوک اور اعتراضات پیش کریں اور ہمارا فرض ہے کہ ان کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کے لوگ عموماً نہایت غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ بجائے اس کے کہ ایک ناواقف آدمی کی طرح اپنے شبہات اور اعتراضات پیش کر کے واقف کار لوگوں سے ان کا حل طلب کریں، خود مجتہد بن کر ایک فیصلہ کن رائے قائم کر لیتے ہیں پھر اس پر فاضلانہ انداز کے ساتھ ایک مضمون تحریر فرماتے ہیں جس کی ابتدا "مولوی" پر سب و شتم اور انتہا اپنے اعلان اجتہاد و تفقہ پر ہوتی ہے۔ یہ مضمون کسی ادبی رسالے میں بھیج دیا جاتا ہے، اور وہاں بغیر اس احساس کے کہ ایسی تحریروں کی اشاعت کا ملت پر کیا اثر پڑیگا، نہ صرف اس کو شائع کر دیا جاتا ہے، بلکہ خود اڈیٹر صاحب بھی اس پر اپنے خیالات ظاہر فرماتے ہیں۔ اس طرح یہ زہر ہزاروں مسلمانوں کے دل و دماغ تک پہنچا دینے کے بعد "مولوی" کو دعوت دی جاتی ہے کہ اگر تیرے پاس اس کا تریاق ہے تو آ اور اس کا کچھ علاج کر۔ کاش یہ حضرات اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے، ان مسائل کی اہمیت کو سمجھتے جن پر وہ ناکافی علم اور خام تحقیق کے ساتھ اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں، اور غور کرتے کہ ایسے مسائل کے حل کا یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے۔

ایک گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جن کا مقصد محض فتنہ پردازی ہے۔ وہ مذہبی مسائل پر محض اس نیت سے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات میں قطع و برید کریں اور مسلمانوں میں بے دینی پھیلائیں۔ کم علم اور ناواقف مسلمانوں کا جو گروہ ان کے دام میں پھنس جاتا ہے، اس کی جہالت سے وہ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، اسے تاریکی میں رکھ کر اپنے باطل خیالات اس میں پھیلاتے ہیں، اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کے خیالات کی تردید اس حلقہ میں نہ پہنچنے پائے جسے انہوں نے اپنے دام فریب میں گرفتار کر رکھا ہے۔ اگر کبھی اپنے مخالفین سے وہ بحث کرتے بھی ہیں، تو اس وقت جبکہ انہیں پوری طرح اطمینان ہو جاتا ہے

کہ مخالف کمزور ہے۔ آسانی سے دبالیا جاسکتا ہے۔ مگر جہاں کسی ایسے شخص سے مقابلہ کی نوبت آتی ہے جو قوی دلایل سے ان کے باطل خیالات کی تردید کرسکتا ہے تو وہ فوراً راہ گریز اختیار کرتے ہیں۔ مخالف کے دلائل اپنے فریب خوردہ حلقے میں پیش کرنے کی جرأت ان میں نہیں ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان دلائل کے پہنچ جانے کے بعد وہ اس حلقے میں اپنے کمال تحقیق اور شان اجتہاد کے ڈنکے نہ بجا سکیں گے۔

ایسے لوگوں سے خطاب کرنا تو قطعاً لاحاصل ہے کیونکہ وہ جس چیز کے مستحق ہیں، افسوس ہے کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ البتہ جو اصحاب حقیقت میں نیک نیتی کے ساتھ کچھ شکوک رکھتے ہیں، اور ان کی تحقیق کے خواہش مند ہیں، ان کی مدد کرنا یقیناً ہر مسلمان کا فرض ہے۔ مگر ان کے لئے صحیح طریق کار یہ ہے کہ وہ مجتہد کے بجائے سائل کی حیثیت اختیار کریں، اور ادبی رسالوں میں مضامین لکھنے کے بجائے، اپنے شبہات یا اعتراضات ایسے رسائل و جرائد میں بھیجیں جو اس وقت اسلام کی وکالت کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ مثلاً "معارف" یا "اصلاح" یا "سچ"۔ "ترجمان القرآن" بھی اس خدمت کے لئے حاضر ہے اور یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ ان کے اعتراضات خواہ کتنے ہی سخت ہوں، شبہات خواہ کیسے ہی قوی ہوں وہ ان کے پورے دلائل کے ساتھ بعینہٖ شائع کئے جائیں گے اور جواب میں ان کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

بعض احباب کو شکایت ہے کہ "ترجمان القرآن" میں قرآن مجید کے اصطلاحی علوم پر بہت کم لکھا جاتا ہے۔ ان کی یہ شکایت ایک حد تک بجا بھی ہے لیکن آج کل ہندوستان کے مسلمانوں کی دماغی رو جس طرف جا رہی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت اصطلاحی علوم اور خالص علمی تحقیقات کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی اس امر کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسلیں جو دینی تعلیم سے بے بہرہ جدید تعلیم میں نیم پختہ اندر اور کالجوں سے صرف یہ سبق لے کر نکلی ہیں کہ روشن خیالی صرف مذہب میں شک کرنے اور ہر پرانی چیز کو فرسودہ سمجھنے کا نام ہے، انہیں تعلیم قرآنی کے اصل مقصود سے روشناس کرایا جائے، اسلام کے صحیح اصول سمجھائے جائیں، اور ٹھیک

انہی قوانین عقلی کے مطابق جو بیسویں صدی کے دماغوں کو اپیل کر سکتے ہیں، اسلام اور اس کے عقائد و احکام کو کتاب و سنت کی صحیح روشنی میں پیش کیا جائے۔ معانی و بیان کی بحثوں، قصص قرآنی کی تاریخی اور جغرافی تحقیقات، آیات متشابہات کے معانی کی تعیین کے لئے فرصت کے اور بہت سے اوقات مل سکتے ہیں۔ یہاں تو دماغ خود قرآن اور اس کی تعلیم کے بنیادی مسائل سے منحرف ہوئے جا رہے ہیں۔ خدا کی خدائی، رسول کی رسالت، کتاب کی تنزیل ہی میں شکوک پیدا ہو رہے ہیں۔ دین اسلام جن ارکان پر قائم ہے وہی معرض بحث میں آ رہے ہیں ایسی حالت میں زیادہ تر ضرورت نفس اسلام کے تحفظ کی ہے، اور اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے "ترجمان القرآن" کا بیشتر حصہ وقف کر دیا گیا ہے۔

"ترجمان القرآن" اپنی محدود طاقت کے ساتھ اسی زہر کا تریاق فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن اس تریاق کو ان مریضوں تک پہنچانے کے ذرائع اس کے پاس نہیں ہیں جو زہر سے متاثر اور تریاق کے سب سے زیادہ حاجت مند ہیں۔ اس کا کام صرف دوا مہیا کر دینا ہے۔ باقی رہا بیماروں تک اس دوا کو پہنچانا، تو یہ اس کے ناظرین کی امداد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ زہر سے متاثر ہیں، ان کو خود اپنے زہر خوردہ ہونے کا احساس نہیں ہے وہ دوا کی حاجت ہی محسوس نہیں کرتے، بلکہ دوا کے نام سے بھاگتے ہیں، ان سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے ذاتی شوق سے اس قسم کا کوئی رسالہ خریدیں گے۔ اول اول ان کو کسی غیر معمولی تشویق کے ذریعہ سے اس بات پر آمادہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کم از کم جانب مخالف کا مقدمہ بھی سن لیں۔ پھر فیصلہ کا انہیں اختیار ہے، جو چاہیں کریں۔ اس لئے "ترجمان القرآن" کے ناظرین سے استدعا ہے کہ وہ جن حضرات کو مذہب سے منحرف پائیں، انہیں کسی طرح اس رسالے کے چند پرچے ملاحظہ کرنے پر آمادہ کریں۔ اس کام میں اس حد تک ان کی مدد اور کی جائے گی کہ ایسے لوگوں کو ابتداءً ایک سال تک نصف قیمت پر رسالہ دیا جائیگا بلکہ اگر کوئی مریض زیادہ سخت ہو تو رسالہ اس کی خدمت میں مفت نذر کیا جائیگا بشرطیکہ وہ اس کو پڑھنے کا

وعدہ کرے۔

اس رسالے کی ادارت ہاتھ میں لینے سے پہلے میں سمجھتا تھا کہ مسلمان علم قرآن کے پیاسے ہیں، قرآن کی دعوت سننے کے لئے ان میں ایک پوشیدہ تڑپ موجود ہے، کسر جو کچھ بھی ہے، صرف اس بات کی ہے کہ اس جنس کے پیش کرنے والے کمیاب ہیں۔ لیکن گذشتہ ایک سال کے تجربہ نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے قرآن کے نام میں اتنی کشش بھی نہیں ہے جتنی فلم اسٹاروں کی تصویروں میں ہے۔ کسی کتاب یا رسالے پر قرآن کا نام آجانا ہی اس کے لئے کافی ہے کہ مسلمان اس سے بھاگیں، اور شجر ممنوع سمجھ کر اس کو ہاتھ تک نہ لگائیں۔ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

افسوس! یہ کیسی مصیبت ہے کہ بیماروں میں اب یہ احساس بھی نہ رہا کہ وہ بیمار ہیں۔ زخمیوں کی بے خبری اس حد کو پہنچ گئی کہ انہیں اپنے زخموں کی بھی خبر نہ رہی۔ عقل کا فقدان یہاں تک بڑھا کہ دوا سے بھاگتے اور زہر کی طرف لپکتے ہیں، مرہم کو چھوڑ کر نمک اپنے زخموں پر چھڑکتے ہیں، اور امیدوار ہیں کہ اس سے ان کو شفا نصیب ہوگی۔

اس شخص کی روحانی اذیت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا جو تفریح کے لئے نہیں، لوگوں کی اصلاح و تعلیم کے لئے اپنا خون جگر کھپا کر اپنے دل و دماغ کی ساری قوتیں خرچ کر کے لکھتا ہے، اور پھر اسے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت جن کے فائدے کے لئے اس نے لکھا تھا، انہوں نے ہی اس کی طرف توجہ نہ کی، اسے پڑھنے تک کی تکلیف گوارا نہ کی اور ان چیزوں میں اپنا وقت ضائع کیا جو ان کے دین اور دنیا دونوں کو خراب کرنے والی ہیں! اگر آپ ظلمات کا سفر کر کے بڑی محنتوں اور تکلیفوں کے بعد کسی کو آب حیات کا ایک جام لا کر دیں، اور وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے اس کو پھینک کر زہر کا پیالہ اٹھائے، تو غور کیجئے کہ اس وقت

آپ کو کس قدر سخت صدمہ ہوگا۔ بس اسی پر اس صدمہ کو قیاس کریجیے جو ان صفحات کے لکھنے والے کو برداشت کرنے پڑتے ہیں مگر میں اپنی قوم سے اس کی شکایت نہ کروں گا اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ۔ وہی مقلب القلوب ہے۔ اسی سے امید ہے کہ مسلمانوں کے دل پھیرے گا۔ اور جب ان کے دل پھریں گے تو انشاء اللہ دن بھی پھریں گے۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

۱۲

ایمان

رسالت محمدی کے امتیازی خصائص یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ رسالت کے عام احکام سے متعلق تھا مگر ان کے علاوہ چند امور ایسے بھی ہیں جو خاص طور پر رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں بلاشبہ نفس منصب رسالت کے لحاظ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیا میں کوئی فرق نہیں ہے، اور قرآن مجید کا صریح فیصلہ ہے کہ رسولوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق جائز نہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (۲: ۲۸۵) پس جہاں تک اصول کا تعلق ہے، تمام انبیا اس میں مشترک ہیں کہ سب کے سب اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں، سب کو "حکم" اور "علم" عطا کیا گیا ہے، سب ایک ہی صراط مستقیم کی طرف بلانے والے ہیں، سب بنی نوع انسان کے ہادی و رہنما ہیں، سب کی اطاعت فرض اور سب کی سیرت بنی آدم کے لئے نمونۂ تقلید ہے لیکن عملاً اللہ تعالیٰ نے چند امور میں نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیا علیہم السلام کے مقابلہ میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا ہے، اور یہ امتیاز محض سطحی نہیں ہے کہ اس کو ملحوظ رکھنے یا نہ رکھنے کا کوئی اثر نہ ہو، بلکہ درحقیقت اسلام کے نظام دینی میں اس کو ایک اساسی حیثیت حاصل ہے، اور عملاً اسلام کے تمام معتقدات اور قوانین کی بنیاد، رسالت محمدی کی اسی امتیازی حیثیت پر قائم ہے، اس لئے رسالت کے متعلق کسی کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اس مخصوص امتیازی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے

پچھلی نبوتوں اور رسالت محمدی کا فرق اس مضمون کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے چند امور ذہن نشین کر لینے ضروری ہیں

۱۔ اشارات قرآنی، روایات ماثورہ، اور قیاس عقلی، تینوں سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہونی چاہئے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ (۳۵ : ۳) کوئی امت ایسی نہیں ہوی ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ گذرا ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نوع بشری کی اتنی امتیں دنیا میں گذرچکی ہیں کہ تاریخ کا علم ان کا احاطہ نہ کرسکا ہے اور نہ کرسکتا ہے۔ لہٰذا ہر امت کے لئے اگر ایک رسول بھی آیا ہو تو رسولوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہونی چاہئے۔ اسی کی تائید بعض احادیث بھی کرتی ہیں جن میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تک بتائی گئی ہے۔ لیکن اس جم غفیر میں سے قرآن مجید میں جن انبیاء کے نام بتائے گئے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے ان کے ساتھ اگر ہم ان پیشوایان اقوام کو بھی شامل کریں جن کی نبوت کے متعلق کوئی اشارہ قرآن میں نہیں ہے تب بھی یہ تعداد دھائیوں سے متجاوز نہیں ہوتی۔ اس طرح بے شمار انبیاء کا نام و نشان تک مٹ جانا، اور ان کی تعلیمات کے آثار کا محو ہوجانا، اس امر کا ثبوت ہے کہ ان کی بعثت خاص زمانوں اور خاص قوموں کے لئے ہوئی تھی، اور ان کے پاس کوئی ایسی شئے نہ تھی جو ثبات اور دوام بخشنے اور عالمگیر وسعت عطا کرنے کے قابل ہوتی۔

۲۔ پھر جن انبیاء اور پیشوایان اقوام کے نام ہم کو معلوم بھی ہیں ان کے حالات، اور تعلیمات پر افسانوں اور تحریفات کے اتنے پردے پڑے ہوے ہیں کہ ان کے متعلق ہمارے علم کو ہمارے جہل سے کوئی نسبت نہیں ان کے جس قدر آثار اس وقت دنیا میں موجود ہیں، انہیں ظنی اعتقاد سے قطع نظر کرکے، خالص تاریخی نقد کے معیار پر جانچیے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ ان میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہو۔ ہم ان کا صحیح زمانہ تک متعین نہیں کرسکتے۔ ہم ان کے صحیح ناموں تک سے ناواقف ہیں، ہم قطعی طور سے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ فی الواقع دنیا میں موجود بھی تھے یا نہیں۔ بودھ، زردشت، اور مسیح جیسی مشہور ہستیوں کے متعلق [illegible] مورخین نے شک کیا ہے کہ آیا وہ تاریخی ہستیاں ہیں یا محض تخیلی۔ پھر ان کی سیرتوں کے متعلق

جو کچھ معلومات ہمارے پاس ہیں وہ اتنی مجمل اور مبہم ہیں کہ زندگی کے کسی شعبے میں بھی ان کو نمونہ تقلید نہیں بنایا جاسکتا۔ اور یہی حال ان کی تعلیمات کا ہے۔ جو کتابیں یا جو تعلیمات ان کی طرف منسوب ہیں ان میں سے کسی کی سند ان تک نہیں پہنچتی، اور نہایت قوی شہادتیں اندرونی اور بیرونی، دونوں قسم کی ایسی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں بکثرت تحریفات ہوئی ہیں۔ یہ امور اس امر کا یقین کرنے کے لئے کافی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء اور پیشوا گذرے ہیں ان کی رسالت اور پیشوائی عملاً ختم ہو چکی ہے۔

۳۔ قریب قریب تمام انبیاء اور پیشواؤں کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ اُن کی تعلیم ان مخصوص اقوام کے لئے تھی جن میں وہ آئے تھے۔ بعض نے خود اس کی تصریح کی، اور بعض کے متعلق واقعات نے اس کو ثابت کر دیا۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، کنفیوشس، زردشت، اور کرشن کی تعلیم کبھی ان کی قوم کے باہر نہیں گئی۔ یہی حال سامی اور آرین اقوام کے دوسرے رسولوں اور پیشواؤں کا ہے۔ البتہ بودھ اور مسیح کی تعلیم کو ان کے پیرووں نے دوسری اقوام تک پہنچایا، مگر خود انہوں نے کبھی نہ اس کی کوشش کی، اور نہ یہ کہا کہ ان کا پیغام تمام عالم کے لئے ہے۔ بلکہ مسیح علیہ السلام سے تو خود انجیل میں یہ قول منقول ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے آئے تھے۔

۴۔ تمام انبیاء اور پیشوایان امم میں تنہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کی سیرت اور تعلیم کے متعلق ہمارے پاس اس قدر صحیح، مستند، اور یقینی معلومات موجود ہیں کہ ان کی صحت میں شک کی گنجایش ہی نہیں ہے۔ بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کی کسی تاریخی شخصیت کے متعلق آج معلومات کا اتنا صحیح اور قابل اعتماد ذخیرہ موجود نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کوئی مشکک اس کی صحت میں شک کرے، تو اس کو تمام دنیا کا تاریخی ذخیرہ نذر آتش کرنا پڑیگا، کیونکہ اتنے مستند ذخیرے کی صحت میں شک کرنے کے بعد تو یہ ماننا لازم آتا ہے کہ تاریخ کا پورا علم جھوٹ کا ایک انبار ہے، اور اس کے ایک لفظ پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

۵ - اسی طرح تمام انبیاء اور پیشواؤں میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی سیرت اور زندگی کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہیں، نہ صرف پیشوایان امم بلکہ دنیا کی تمام تاریخی شخصیتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جس کی سیرت اتنی جزئی تفصیلات کے ساتھ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو۔ آنحضرت کے عہد اور ہمارے موجودہ عہد میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف اتنا ہے کہ اس زمانہ میں آنحضرت اپنی حیات جسمانی کے ساتھ موجود تھے، اور اب نہیں ہیں لیکن اگر زندگی کے ساتھ جسمانی زندگی کی قید نہ لگائی جائے، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت آج بھی زندہ ہیں، اور جب تک دنیا میں آپ کی سیرت موجود رہے گی اس وقت تک آپ زندہ رہیں گے۔ احادیث اور سیر کی کتابوں میں دنیا آج بھی آنحضرت صلعم کی زندگی کو اتنے ہی قریب سے دیکھ سکتی ہے، جتنے قریب سے آپ کے عہد کے لوگ دیکھ سکتے تھے۔ پس یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انبیاء اور پیشوایان ادیان میں سے اگر کسی کا صحیح اور مکمل طور پر اتباع کیا جا سکتا ہے، تو وہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۶ یہی حال آنحضرت صلعم کی تعلیم کا ہے جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، انبیاء اور پیشواؤں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی لائی ہوئی کتاب، اور جس کی پیش کی ہوئی تعلیم آج اپنی صحیح شکل میں موجود ہو، اور قابل یقین و اعتماد طریقے سے اپنے لانے والے اور پیش کرنے والے کی طرف منسوب کی جا سکتی ہو۔ یہ شرف تنہا آنحضرت صلعم کو حاصل ہے کہ آپ کی لائی ہوئی کتاب، قرآن بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے جن الفاظ میں آنحضرت نے اس کو پیش کیا تھا، اور قرآن کے علاوہ جو ہدایات آپ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے دی تھیں، وہ بھی قریب قریب اپنی صحیح صورت میں آج تک محفوظ ہیں، اور انشاء اللہ ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔ پس رسولوں اور پیشواؤں میں سے اگر کسی کی تعلیم کا اتباع یقینی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۷ - پچھلے زمانے کے انبیا اور پیشواؤں کی تعلیم اور سیرت کے متعلق جو ذخیرہ اس وقت دنیا میں

موجود ہے اس سب پر نظر ڈال جائیے۔ اس میں حق اور صداقت، خیر اور صلاح، حسن اخلاق اور حسن معاملت کے جتنے پاکیزہ نمونے آپ کو ملینگے، وہ سب کے سب آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کی سیرت میں پا سکتے ہیں اسی طرح آپ کے بعد نوع بشری کے جتنے رہنما پیدا ہوئے ہیں، اُن کی تعلیم اور سیرت میں بھی آپ کو ایسی کوئی چیز نہ ملیگی جو حق اور صدق، نیکی اور بہتری ہو، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور سیرت میں موجود نہ ہو۔ پھر آنحضرت کی تعلیم اور سیرت میں آپ کو علم حق، عمل صالح، اور اصول خیر کا ایک وافر ذخیرہ ایسا بھی ملے گا جو دنیا کے کسی اگلے اور پچھلے پیشوا کی تعلیم اور سیرت میں نہیں پایا جاتا ان سب پر مزید یہ کہ علم الٰہی اور اخلاق و معاملات دنیوی کے متعلق کوئی ایسی صحیح بات انسان سوچ نہیں سکتا جو اسلام سے باہر ہو۔ پس یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور سیرت تمام خیرات کی جامع ہے۔ حق جو کچھ تھا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کر دیا، صراط مستقیم جس چیز کا نام تھا وہ آپ نے روشن کر کے دکھا دی۔ جملہ انفرادی، اور اجتماعی حیثیات سے انسان کے اخلاق اور معاملات کو درست رکھنے اور دنیا میں صحیح طور پر زندگی بسر کرنے کے لئے جتنے اصول حقہ ہو سکتے تھے، وہ سب آپ نے واضح طور پر پیش کر دیے۔ اب ان پر کسی اضافہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

۸۔ انبیا اور پیشوایان ادیان کے پورے گروہ میں تنہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی دعوت تمام نوع انسانی کیلئے ہے، اور عملاً بھی یہی ہوا کہ آپ نے اپنی زندگی میں شاہان اقوام کو دعوت نامے بھیجے، اور آپ کی دعوت روئے زمین کے ہر گوشے اور بنی آدم کی ہر قوم میں پہنچی۔ یہ خصوصیت آنحضرت صلعم کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ بعض نے تو نہ عالمگیری کا دعویٰ کیا اور نہ ان کو عالمگیری نصیب ہوئی اور بعض کے مذاہب کو عالمگیری تو نصیب ہوئی، مگر خود انہوں نے اس کا کبھی دعویٰ کیا، اور نہ اس کی کوشش کی۔ آنحضرت صلعم کے سوا ایسا اور کوئی نہیں ہے جس نے عالمگیری کا دعویٰ بھی کیا ہو، اس کے لئے کوشش بھی کی ہو اور جسے بالفعل عالمگیری نصیب بھی ہوئی ہو۔

۹۔ دنیا میں انبیاء کی آمد کے تین ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کسی قوم کی ہدایت کے لئے پہلے کوئی نبی نہ آیا ہو، اور تکمّل قومِ حاد کی بنا پر اس کے لئے ایک نبی یا ایک سے زیادہ انبیاء کی ضرورت ہو۔ دوسرے یہ کہ پہلے کوئی نبی آیا تھا، مگر اس کی رسالت کے آثار محو ہو گئے، اس کی تعلیم اور اس کی لائی ہوی کتاب میں تحریف ہو گئی، اس کی سیرت کے نشانات اس طرح مٹ گئے کہ لوگوں کے لئے اس کی پیروی کرنا اور اس کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرنا ممکن نہ رہا۔ تیسرے یہ کہ پہلے نبی یا انبیاء کی تعلیم اور ہدایت مکمل نہ ہوا اور اس میں مزید اضافہ کی ضرورت ہو۔ ان تین اسباب کے سوا انبیاء کی بعثت کا کوئی چوتھا سبب نہ ہے اور نہ عقلاً ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی قوم کیلئے نبی آچکا ہو، اس کی تعلیم اور اس کی سیرت اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہو، اس میں کسی اضافہ کی ضرورت بھی نہ ہو، اور پھر اس کے بعد کوئی دوسرا نبی بھیج دیا جائے۔ نبوت کا منصب اتنا چھوٹا اور ادنیٰ درجہ کا منصب نہیں ہے کہ محض کسی گذرے ہوے نبی کی تعلیم کی طرف توجہ دلانے کے لئے اسے قائم کیا جائے۔ اس کام کے لئے علمائے حق اور مجددین کی جماعت بالکل کافی ہے۔ پس عقل قطعیت کے ساتھ یہ حکم لگاتی ہے کہ جب تک مندرجہ بالا اسباب ثلاثہ میں سے کوئی سبب داعی نہ ہو، اس وقت تک کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور ہمارے پچھلے بیان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ تینوں دواعی مرتفع ہو چکے ہیں۔ آپ کی دعوت تمام نوع بشری کے لئے ہے۔ لہذا اب جدا جدا قوموں کے لئے نبی آنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی لائی ہوی کتاب اور آپ کے جملہ آثار رسالت اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہیں، لہذا کسی نئی کتاب یا نئی ہدایت کے آنے کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ کی تعلیم اور ہدایت مکمل اور جامع ہے، نہ علم حق میں سے کوئی چیز پوشیدہ رہ گئی ہے، اور نہ عمل صالح کے لئے ہدایت اور نمونہ تقلید پیش کرنے میں کوئی کسر باقی ہے، لہذا اس پر کسی اضافہ کرنے والے کی بھی ضرورت نہیں۔ جب یہ تینوں دواعی موجود نہیں ہیں اور بعثت انبیاء کے دواعی انہی تین میں منحصر ہیں تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ قطعاً بند ہو چکا ہے۔ اگر اب یہ دروازہ کھلا ہے

تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا فعل عبث بھی کرتا ہے، حالانکہ خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ اس سے کوئی بے کار فعل صادر ہو۔

رسالت محمدی صلعم کی یہی وہ امتیازی حیثیات ہیں جن کو قرآن مجید نے پوری تفصیل و توضیح کے ساتھ پیش کیا ہے۔

دعوت عام قرآن کہتا ہے کہ:-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمٰتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۷: ۲۰)	اے محمد! کہو کہ لوگو میں تم سب کی طرف اس خدا کا بھیجا ہوا پیغامبر ہوں جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ کرنے اور مارنے والا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے ان پڑھ رسول و نبی پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو امید ہے کہ تمہیں ہدایت نصیب ہوگی۔
وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۳۴ : ۳)	اور اے محمد ہم نے تمکو تمام ہی انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، مگر لوگ اس سے ناواقف ہیں۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (۴:۲۲)	اے لوگو، تمہارے رب کی طرف سے یہ رسول تمہارے پاس حق کے ساتھ آیا ہے، پس ایمان لاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے! اور اگر کفر کرتے ہو تو تحقیق جان لو کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔
وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ (۲۱:۷)	اے محمد! ہم نے تمکو تمام اہل عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (۲۵: ۱)

پاک ہے وہ جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب اپنے بندے پر اتاری تاکہ تمام اہل عالم کے لئے تنبیہ کرنیوالا ہو۔

اس سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کسی زمانے یا کسی قوم یا ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ ہمیشہ کے لئے تمام نوع بشری کے ہادی و رہنما ہیں۔

دوسرے یہ کہ تمام نوع انسانی آپ پر ایمان لانے اور آپ کا اتباع کرنے کے لئے مکلف ہے۔

تیسرے یہ کہ آپ پر ایمان لائے بغیر اور آپ کا اتباع کئے بغیر ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔

یہ تینوں امور ایمانیات میں داخل ہیں، کیونکہ اسلام جس عالمگیر بشری تہذیب کا نام ہے اس کی عالمگیری اور آفاقیت اسی اعتقاد پر مبنی ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے باہر بھی ہدایت میسر آسکتی ہے تو دعوت اسلام سے اس کی عمومیت سلب ہو جاتی ہے اور اسلام کی عالمگیری ختم۔

تکمیل دین رسالت محمدی کا دوسرا امتیاز جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے، یہ ہے:۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (۹: ۵)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو الھدیٰ اور دین الحق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ (۵: ۱)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت جس چیز کا نام ہے، اور دین حق کا اطلاق جس چیز پر ہوتا ہے وہ تمام و کمال رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے بھیج دی گئی ہے، الدین (یعنی جنس دین) پر آپ کی رسالت کلیۃً حاوی ہو چکی ہے، آپ کے ذریعہ سے دین کو مکمل کر دیا گیا ہے، اور ہدایت کی وہ نعمت جو پہلے انبیاء کے

توسط سے تھوڑی تھوڑی کرکے عطا کی جارہی تھی، اب اتمام کو پہونچادی گئی ہے۔ اس کے بعد ہدایت اور دین اور علم حق میں سے کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی ہے جسے ظاہر کرنے کے لئے کسی اور نبی یا رسول کے آنے کی حاجت ہو۔ ان واضح الفاظ کے ساتھ جس تکمیل دین اور اتمام نعمت کا اعلان کیا گیا ہے، اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ پچھلی نبوتوں کے ساتھ اطاعت اور اتباع کا تعلق منقطع ہو اور آیندہ کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہو جائے۔ یہ دونوں امور یعنی نسخ ادیان سابقہ اور ختم نبوت، رسالت محمدی صلعم کے امتیازی خصائص ہیں، اور قرآن مجید میں ان دونوں کو صاف طور پر پیش کر دیا گیا ہے؟

نسخ ادیان سابقہ نسخ ادیان سابقہ سے مراد یہ ہے کہ پچھلے انبیاء نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ اب منسوخ ہو گیا ان کی نبوت وصداقت پر اجمالی اعتقاد رکھنا تو ضروری ہے کیونکہ وہ سب اسلام ہی کے داعی تھے، اور ان کی تصدیق دراصل اسلام ہی کی تصدیق ہے، لیکن عملاً اطاعت اور اتباع کا تعلق اب ان سے منقطع ہو کر صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور اسوۂ حسنہ کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے، اس لئے کہ اول تو اصولاً کامل کے بعد ناقص کی ضرورت نہیں رہی، دوسرے انبیائے سابقین کی تعلیم اور سیرت کے آثار تحریف ونسیان کی نذر ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے عملاً ان کا صحیح اتباع ممکن نہیں رہا۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں جہاں کہیں رسول کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا گیا ہے وہاں "الرَّسُولُ" یا النَّبِی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے، مثلاً اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۳: ۱۴) اور اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۸) اور مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴: ۱۱) پھر یہی وجہ ہے کہ ان قوموں کو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو انبیائے سابقین میں سے کسی کی ماننے والی ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو

يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ۔ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَٰتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۵: ۳)

تم سے بہت سی ایسی باتیں بیان کرےگا جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے، نیز وہ بہت سی باتوں سے معاف بھی کردے گا۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے جس کے ذریعہ سے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کا اتباع کریں گے، سلامتی کے راستوں کی طرف ہدایت بخشےگا اور انھیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے گا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کریگا۔

اور:۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَٰةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔ قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَٰوَٰتِ وَ

اہل کتاب میں سے ایمان دار وہ ہیں جو اس ان پڑھ رسول نبی کا اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتا ہے ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے، اور ان پر سے اس بوجھ اور ان بندشوں کو اتار دیتا ہے جو ان پر مسلط تھیں۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمایت اور امداد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اے محمدؐ کہدے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا بھیجا ہوا پیغامبر ہوں جو

وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (۷: ۱۹-۲۰)

آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ کرنے اور مارنے والا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے ان پڑھ رسول و نبی پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان لایا ہے اور اس کی پیروی کرو۔ امید ہے کہ تم ہدایت پاؤ گے۔

ان آیات بینات میں نسخ ادیان سابقہ کی تصریح بھی ہے، اس کے معنی بھی بتا دیے گئے ہیں، اس کی وجہ بھی ظاہر کر دی گئی ہے، اس کے منطقی نتائج سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے، یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اب ہدایت اور فلاح کا دامن نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اتباع سے وابستہ ہے، اور یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ نبی امی کا دین درا صل اسی دین کی اصلاح اور تکمیل ہے جو توراۃ اور انجیل کے ماننے والوں اور دنیا کی دوسری قوموں کے پاس بھیجا گیا تھا۔

ختم نبوت اسی طرح تکمیل دین کے دوسرے نتیجہ، یعنی ختم نبوت کو بھی قرآن مجید میں بالفاظ صریح بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (۳۳: ۵)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہوئے مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

نبوت کے سدباب کا یہ اتنا واضح اور کھلا ہوا اعلان ہے کہ اگر کسی کے دل میں زیغ اور کجی نہ ہو تو اس اعلان کے بعد وہ اسلام میں نبوت کے فتح باب کی گنجائش کسی طرح نہیں نکال سکتا۔ خاتم کو خواہ تائے مفتوح پڑھئے یا تائے مکسور، دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ نبوت کا دروازہ اس خدا کے علم میں ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے جس کے علم کے خلاف کوئی امر واقع

نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ رسالت محمدی کے لازمی اجزاء

تکمیل دین، نسخ ادیان سابقہ، اور ختم نبوت کے اعتقادات دراصل اسلام کے ایمانیات میں داخل اور عقیدہ رسالت محمدی کے لازمی اجزاء ہیں۔ اسلام کی دعوت عام اس بنیاد پر قائم ہے کہ نوع انسانی کے لئے اسلام کی شکل میں ایک ایسا مکمل مذہب پیش کر دیا گیا ہے جس میں پچھلے تمام مذاہب کی کمی پوری کر دی گئی ہے، اور آیندہ کے لئے کوئی کمی ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کو پورا کرنے کی کبھی ضرورت پیش آئے۔ اس مکمل مذہب نے ہمیشہ کے لئے اسلام اور کفر، حق اور باطل کے درمیان ایسا متعین اور مستقل امتیاز قائم کر دیا ہے کہ اب قیامت تک اس میں کسی قسم کا گھٹاؤ اور بڑھاؤ نہیں ہوگا۔ جو کچھ اسلام اور حق ہے اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کر دیا اب اس جنس کی کوئی مزید چیز آنے والی نہیں ہے کہ آیندہ کسی زمانے میں انسان کا مسلم اور حق پرست ہونا اس نئی چیز کو تسلیم کرنے پر موقوف ہو۔ اور جس چیز کو محمد صلعم نے کفر اور باطل قرار دے دیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے کفر اور باطل ہے۔ اس میں سے کوئی چیز نہ اب حق اور اسلام ہو سکتی ہے، اور نہ اس کے سوا کسی دوسری چیز پر کفر اور اسلام کی تفریق قائم ہو سکتی ہے۔ یہی ٹھوس اور غیر تغیر پذیر بنیاد ہے جس پر عالمگیر اور دائمی ملت و تہذیب اسلامی کی عمارت تعمیر کی گئی ہے، اور ایسی بنیاد پر اس کی تعمیر اسی لئے کی گئی ہے کہ تمام دنیا کے انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ہی ملت ایک ہی دین اور ایک ہی تہذیب کے اتباع پر متفق ہو سکیں، ایسی ملت جس کے کامل اور مستقل ہونے کا انہیں پورا یقین ہو، ایسا دین جو حق اور ہدایت پر پوری طرح حاوی ہو، حتی کہ اس جنس کی کسی شئے کے اس سے باہر رہ جانے کا اندیشہ نہ رہے، ایسی تہذیب جس کی عمارت میں کفر و اسلام کی کسی نئی تفریق سے رخنہ پڑ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ اسی اعتماد پر اسلام کی دعوت عام مبنی ہے، اور اسی پر اسلام کے دوام و استحکام کا انحصار ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام آجانے کے بعد بھی ادیان سابقہ کا اتباع درست ہے وہ دراصل اسلام سے دعوت عام کا حق

چھینتا ہے، کیونکہ جب اسلام کے سوا دوسرے طریقوں سے بھی ہدایت ممکن ہو تو تمام اقوام و ملل کو اسلام کی طرف دعوت دینا ایک فضول حرکت ہو گی اور جو شخص کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہر زمانے کی ضروریات اور حالات کے لحاظ سے حذف و ترمیم اور اصلاح و اضافہ ہو سکتا ہے وہ دراصل اسلام سے دوام کا حق سلب کرتا ہے کیونکہ جو دین ناقص ہو اور حذف و اضافہ کا محتاج ہو، وہ ہمیشہ کے لئے ذریعہ ہدایت ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہو گا۔ پھر جو شخص کہتا ہے کہ اسلام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیار کے آنے کی گنجایش ہے، وہ درحقیقت اسلام کے استحکام پر ضرب لگاتا ہے۔ نبوت کا دروازہ کھلا رہنے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی جمعیت ہمیشہ پراگندگی اور تفریق کے خطرہ میں مبتلا رہے۔ ہر نئے نبی کے آنے پر کفر اور اسلام کی ایک نئی تفریق ہو، اور ہر ایسے موقع پر بہت سے وہ لوگ اسلام سے خارج ہوتے چلے جائیں جو خدا پر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ پس اسلام میں نبوت کا فتح باب درحقیقت فتنے کا فتح باب ہے۔ اسلام کی بیخ کنی کے جتنے اسباب ممکن ہیں ان میں سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک سبب یہ ہے کہ کوئی شخص اسلام میں نبوت کا دعویٰ کرے۔ امت مسلمہ کا نظام جمعیت اسی بنیاد پر تو قائم کیا گیا تھا کہ جو لوگ محمد رسول اللہ اور قرآن پر ایمان لائیں وہ سب مسلم اور مومن ہیں ایک ملت ہیں، ایک قوم ہیں آپس میں بھائی بھائی ہیں، رنج اور راحت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ اب اگر کوئی شخص آئے اور کہے کہ محمد اور قرآن پر ایمان لانا کافی نہیں ہے جو مجھ پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے اگرچہ وہ محمد اور قرآن پر ایمان رکھتا ہو، پھر اسی بنا پر وہ مسلمانوں میں کفر اور اسلام کی تفریق کرے، اور اس قوم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم بنایا تھا، ان لوگوں کے درمیان برادری کے رشتے کو کاٹ دے جنھیں قرآن نے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ کہکر بھائی بھائی بنایا تھا، ان کی نمازیں الگ کر دے، ان کے درمیان مناکحت کے تعلقات توڑ دے، حتیٰ کہ ان میں عیادت اور تعزیت اور شرکت جنازہ

کا تعلق بھی باقی نہ رکھے، تو اس سے بڑھ کر اسلام اسلامی قومیت، اسلامی تہذیب، اور اسلام کے نظام جماعت کے ساتھ اور کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟

اس بحث سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ رسالت محمدی کے ساتھ تکمیل دین، نسخ ادیان سابقہ اور ختم نبوت کا اعتقاد کس قدر اہمیت رکھتا ہے، اور اسلام کے بقا و استحکام اور اس کے شیوع عام کے لئے اس کا داخل ایمان ہونا کیوں ضروری ہے۔ (باقی)۔

مسلم ریویو

یہ نہایت درجہ مبارک مفید اور بیحد معلومات سے لبریز ماہانہ رسالہ ہے جو زبان انگریزی میں لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔ علمائے اسلام و مشاہیر عالم کے پرمغز اور مدلل تحقیقات جدیدہ سے مرصع اور مقبول خاص و عام مضامین اس میں عین وقت پر شایع کئے جاتے ہیں مغربی دنیا میں اس کے مضامین نے شمع ہدایت کا کام کیا ہے اور ہزاروں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے۔ یورپ امریکہ اور انگلستان کے کتب خانوں میں اور نادار طالبان حق اور غیر مسلم حضرات کو مفت ہزاروں کی تعداد میں ماہانہ دیا جاتا ہے۔ فرق اسلامیہ کے اختلافات میں اپنا دامن نہیں الجھاتا۔ دور جدید کے پیغمبروں کا یہ ہم نوا نہیں نہ ان کی امت سے اس کو تعرض ہے۔ اس کی سرپرستی کرنا اور اس کو کثیر الاشاعت بنانا بلا لحاظ فرقہ سب مسلمانوں کا دینی فرض ہے

قیمت سالانہ صرف ۵ اور طلبا سے (سے)

مینجر مسلم ریویو ۲۲ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ۔ (یو۔پی)

بازار ساحری

کرشمہ کن و بازار ساحری بشکن

از جناب مولانا عبد اللہ العمادی

(۱)

ہرچند قرآن پاک نے پیشینگوئیوں سے بہت کم بحث کی ہے اور واقعات کی تاریخ بیان کرنے میں تو حصہ لیا ہی نہیں تاہم جہاں کہیں دیکھا کہ عوام میں کوئی ایسی بات مشہور ہے کہ اصل ایمان پر اس سے برا اثر پڑنے کا احتمال ہے وہاں فوراً واقعہ کی اصلیت بیان کر کے مناسب لفظوں میں شبہات کی تکذیب کر دی۔ گو اس زمانے کے ہوا پرستوں کو اس کے ماننے میں تامل ہوا لیکن بعد کی دریافتوں نے ثابت کر دیا کہ هٰذَا الْقُرْاٰنُ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ وَ اِنَّهٗ لَهُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ[۱]

یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شیطانوں کی پیروی کر کے کافر ہو گئے تھے ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں۔ جن پر خدا نے جادو اتارا ہے اور وہ لوگوں کو جادو کر کے ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

اس افواہ سے اول تو حضرت سلیمان کی رسالت میں شک پڑتا تھا اور دوسرے بڑا شبہ یہ ہوتا تھا کہ جادو جب ایسی بری چیز ہے کہ اس کے اثر سے لوگ تباہ ہو جاتے ہیں تو خدا نے اس کو فرشتوں پر کیوں اتارا؟ تباہ و ہلاک کرنے کی قدرت تو صرف خدا میں ہے پھر دو اور شخص اس میں کیوں شریک ہو گئے؟ کلام اللہ نے اس شبہ کو دو لفظوں میں صاف کر دیا ہے کہ "حضرت سلیمان" نے کفر نہیں کیا بلکہ

[۱] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۵۱۔

شیاطین کفر کرتے تھے۔ اور ہاروت و ماروت پر جادو خدا کی طرف سے اترا نہیں تھا اور نہ وہ اُس کے ذریعہ سے کسی کو ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ اس سے انہیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے"۔

ظاہر ہے کہ اس بیان کے بعد شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہی تھی لیکن ہوا پرستوں کو اس وقت تک یقین نہ آیا جب تک موسیو مورگن کو آثار بابل میں وہ کتابے نہ ملے جن میں ہاروت و ماروت اور ان کی معشوقہ زہرہ کی سیاہ کاریوں کی پوری داستان درج ہے۔ ان کتابوں سے جو پختہ اینٹ کی سلوں پر ہیں۔ قرآن مجید کے بیان کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ یہ دونوں بظاہر تو ایسے فرشتہ صفت تھے کہ لوگ ان کو پادشاہ فرشتہ اور دیوتا سمجھتے تھے لیکن دراصل پھنسانے کے لئے انہیں بڑے بڑے ہتھکنڈے یاد تھے۔

کلام اللہ نے آج سے بہت پہلے اس غلط فہمی کو رفع کیا ہے اور مفسرین نے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے امام رازی کہتے ہیں :۔

قرء الحسن "الملكين" بكسر اللام وهو مروی ایضًا عن ابن عباس ثم اختلفوا فقال الحسن كانا علجين اقلفين ببابل يعلمان الناس السحر وقيل كان رجلين صالحين من الملوك[1]

حسن بصریؒ نے "ملکین" کے لام کو زیر سے پڑھا ہے اور یہی ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اختلاف پھر اس کے بعد ہے۔ چنانچہ حسنؒ کا قول ہے کہ ہاروت و ماروت بیدین و ناختنہ بریدہ تھے اور بابل میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ دو نوں صالح بادشاہوں سے تھے۔

ان بزرگوں نے جن میں حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ بصری ایسے صحابی و تابعی شامل ہیں تصریح کردی کہ ہاروت و ماروت فرشتے نہیں تھے آدمی تھے اور یہی مشہور مفسر ضحاک کا بھی قول ہے

[1] تفسیر کبیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۵۱۔

فتح البیان میں ہے۔

قال الضحاك هما اي هاروت و — ضحاک کا قول ہے کہ ہاروت و ماروت بابل کے دو
ماروت علجان من اهل بابل۔ ؎۱ — بیدین آدمی تھے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ ہاروت و ماروت کا قصہ یہودیوں سے ماخوذ ہے اور ایک روایت
یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتہ نہ تھے بلکہ فرشتہ صفت ہونے کی وجہ سے ان کا یہی لقب پڑ گیا تھا۔ فرماتے ہیں

وما روي انهما مثلا بشرين وركب — یہ جو روایت ہے کہ ہاروت و ماروت فرشتے سے
فيهما الشهوة ..... فحكى عن اليهود۔ — آدمی بنائے گئے اور ان میں شہوت دی گئی .... تو
وقيل رجلان سميا ملكين باعتبار — یہ یہودیوں سے مروی ہے .... ایک روایت یہ ہے
صلاحهما ويؤيده قراءة الملكين بالكسر — کہ یہ دونوں آدمی تھے اور زہد و تقوی کی وجہ سے
وقيل "ما انزل" نفي معطوف على — لوگ انہیں فرشتہ کہتے تھے اور "ملکین" بالکسر کی قراءت
ماكفر وتكذيب لليهود في هذه القصة ؎۲ — اسی کی تائید کرتی ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ
"ما انزل" نفی ہے اور "ماکفر" پر عطف ہے اور اس قصہ میں یہودیوں کی تکذیب ہے۔

صاحب تفسیر مظہری یہ لکھ کر کہ "ما انزل علی الملکین" میں "ما" نفی کے لئے ہے یعنی سحر خدا
کی جانب سے نہیں اترا تھا۔ قصہ ہاروت و ماروت کے متعلق فرماتے ہیں:-

وهذه القصة من اخبار الآحاد بل من — یہ قصہ خبر احاد ؎۳ بلکہ ضعیف و شاذ روایت سے منقول
الروايات الضعيفة الشاذة ولا — ہے اور قرآن میں اس پر کوئی دلیل نہیں..... اس قسم
دلالة عليها في القرآن بشيء ... وان — کی کوئی حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تو

؎۱ فتح البیان، جلد ۱ صفحہ ۱۳۴۔ ؎۲ بیضاوی شریف صفحہ ۷۰۔

؎۳ خبر احاد وہ حدیث جس کا راوی اول صرف ایک شخص ہو۔ ایسی خبریں یقین کے لئے مفید نہیں ہوتیں۔

هٰذہ الاخبار لم یرو منہا شیٔ صحیح ولا صحیح مروی ہے۔ اور نہ غلط۔
سقیم عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم[له]

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "ملکین" سے مراد جبریل و میکائیل ہیں اور ہاروت وماروت "شیاطین" سے بدل ہے۔

ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

اِتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَى الْمَلَكَيْنِ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۔ فیکون معنیا بالملکین جبریل ومیکائیل لان سحرۃ الیہود فیما ذکر کانت تزعم ان اللہ انزل السحر علے لسان جبرئیل ومیکائیل الی سلیمان بن داؤد فاکذبہم اللہ بذلک واخبر نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم ان جبریل ومیکائیل لم ینزلا بسحر وبرأ سلیمان مما غلوہ من السحر واخبرہم ان السحر من عمل الشیٰطین وانہا تعلم الناس ذٰلک ببابل وان الذین یعلمونہم ذٰلک رجلان احدہما ہاروت والاٰخر ماروت فیکون ہاروت وماروت علی ھٰذہ التاویل ترجمۃ عن الناس وردًا علیہم۔"

یعنی یہودیوں کا گمان تھا کہ خدا نے جبریل و میکائیل کے ذریعہ سے حضرت سلیمان پر جادو اتارا ہے۔ خدا نے اس کی تکذیب کی کہ ان دونوں فرشتوں پر کچھ نہیں اترا۔ جادو تو شیاطین سکھایا کرتے ہیں۔ اور بابل میں ہاروت و ماروت نامی دو خاص آدمی ہیں جن کا یہی نام ہے۔

اس مطلب کو علامہ قرطبی نے بھی پسند کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے سوا کوئی تاویل

له تفسیر مظہری صفحہ ۸۶۔

قابل التفات نہیں۔ لکھتے ہیں۔ ھذا اولی ما قیل فیھا و لا یلتفت الی سواہ[۱]"

۲

سحر کی تاثیر میں ہم خود کلام کرنا نہیں چاہتے۔ ہاں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ البتہ فرماتے ہیں کہ "انہ خدع لا اصل لہ ولا حقیقۃ[۲]" یعنی سحر ایک قسم کا فریب ہے جس کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں۔"

یہ امر کہ سحر اگر کوئی چیز نہیں تو تخت بلقیس کے اٹھا لانے کا عفریت نے کیونکر دعویٰ کیا "خارج از بحث ہے اس لئے کہ مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طرفۃ العین میں تخت کے اٹھا لانے سے بہت جلدی اٹھا لانا مراد ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:-

اختلفوا فی قولہ قبل ان یرتد الیک طرفک علی وجھین الاول انہ اراد المبالغۃ فی السرعۃ کما تقول لصاحبک افعل ذلک فی لحظۃ وھذا قول مجاھد[۳]۔

غرض کہ ہاروت ماروت کو بعضوں نے فرشتہ لکھا ہے اور بعضوں نے آدمی لیکن اس آیت کو کسی نے متشابہ نہیں بتایا ہے

(۳)

اس ضمن میں ہم یہ بھی دکھانا چاہتے ہیں کہ سحر و جادو سے حقیقی عربی تمدن کو بھی تعلق نہ تھا یہ بنائے فساد عرب میں غیر قوموں کے طفیل سے داخل ہوئی۔

اہل عرب ان چیزوں کو جو لطیف المأخذ اور دقیق الصنعت ہوتیں "سحر" کہا کرتے تھے۔

---

[۱] فتح البیان ج ۱ ص ۱۳۳۔ [۲] عینی ج ۲ ص ۵۹۹۔ طبع قسطنطنیہ و فتح البیان۔ ج ۱ ص ۱۳۲ طبع مصر [۳] تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۶۶

اور جن چیزوں میں چابکدستی اور سحر کی سی گرفت ہوتی کہ چیز اپنی اصلی حقیقت کے خلاف نظر آتی، اس کو "شعبدہ" کہتے تھے۔ یہ لفظ معرب ہے جس کے معنی افسون کے ہیں۔ سحر میں اصلی چیز فریب ہے۔ جس شخص پر سحر ہوتا اس کو فریفتہ (فریب دادہ) کہتے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر عزیزی میں آلات صنعت و مکانیکس اور یورپ کی گھڑیوں کو بھی ایک قسم کے سحر میں شمار کرتے ہیں[۱]۔

جاہلیت میں عرب کے قرب و جوار میں جو قومیں رہتی تھیں ان کا گمان یہ تھا کہ سحر و شعبدہ کا استفادہ جوہروں کے خواص اور حسابی امور میں اور مطالع نجوم کے علم سے ہوتا ہے جس پر سحر کرنا ہوتا اس کی صورت کا ایک ہیکل بناتے اور اس کے لئے ایک مخصوص وقت کے منتظر رہتے جس میں خاص خاص ستارے نکلتے ہیں اور اس کے ساتھ کچھ جلے ملا کر شیطانوں سے فریادی ہوتے تھے جس شخص پر سحر ہوتا ان کے خیال میں ان سب باتوں کی وجہ سے اُس کی عجیب حالت ہو جاتی اور حقیقت بدل جاتی۔ اس غرض کے لئے جن و شیاطین کو غلام بنانے کے لئے قربانی اور بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اور اس فن میں بہت سی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں جن میں ابن وحشیہ کلدانی کی کتاب القرابین زیادہ مشہور ہے جس کو اس نے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔

عہد تمدن میں جب غیر قومیں اسلام کے زیر اثر آئیں اور مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اکثر لوگ مسلمان بھی ہوئے تو مسالۂ سحر کی اصلاح پر بھی توجہ کی اور اب یہ کہنے لگے کہ ہم "لوگ خدا کی عبادت میں مستغرق رہتے ہیں تضرع کیا کرتے ہیں، شیاطین و ارواح کو اس کے نام کی قسم دیتے ہیں،

---

[۱] شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہٗ کی اصل عبارت یہ ہے:۔ "قسم مفتتم سحر حیل است باستعانت آلات عجیبۃ الصنعت امور غریبہ حادث کنند و اتخاذ آن آلات بیشتر بر تعمق در ریاضات مبنی می باشد مثل حیل بنی موسی و آلات ساعت شناسی کہ فرنگیان می سازند"۔ (فتح العزیز مطبوعہ ۱۲۶۴ھ صفحہ ۲۵۸)۔

عربی میں "حیل" آلات کو کہتے ہیں اور بنی موسی سے مراد موسی بن شاکر کے تینوں بیٹے محمد و احمد و حسن ہیں جو بہت سے عجیب و غریب آلات کے موجد گزرے ہیں۔

اور نفسانی خواہشوں کو ترک کر کے عبادت کا التزام رکھتے ہیں لہذا جن و شیاطین و ارواح ہماری اطاعت و خدمت کرتے ہیں۔ ہمارے امر و نہی کے مطابق تصرف کیا کرتے ہیں اور خدا کے نام سے قسم دینے کی وجہ سے مطیع رہتے ہیں اس لئے کہ اسماء الٰہی کی خاصیت یہ ہے کہ ان کو مطیع کر سکتے ہیں"۔

قدیم زمانہ کفر و جہالت میں جادوگروں نے بہت سی کتابیں سحر میں لکھی تھیں۔ مثلاً کتاب آریوس بن اصطفان بن بطلینس رومی جو رومی افسونگروں میں سب سے بڑا عالم اور سر برآوردہ قوم کے لقب سے ملقب تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں جنوں اور دیووں کے حسب و نسب اور ابلیس کی اولاد اور ملکوں میں ان کے متفرق ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور ان میں ہر جنس سے جو علل و ارواح و استہلاکات و افعال مخصوص ہیں سب کو بیان کیا ہے۔ ایک دوسری کتاب لوہق ساحر کی ہے جس میں جنوں کی سرشت و سوالید و مواخید اور سرکش ارواح کا بیان ہے یہ کتاب آریوس رومی کی کتاب سے بڑی ہے۔

محمد بن اسحاق صاحب مغازی و سیر کا بیان ہے کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں اور خصوصاً بعہد خلیفہ مقتدر باللہ عباسی افسانوں اور خرافات سے بڑی دلچسپی لیجاتی تھی۔ اس وجہ سے افسانہ نویسوں نے خرافات میں کتابیں تصنیف کیں اور جس تدریج میں آیا اُن میں جھوٹ بکا۔ اس قسم کے خرافات بہت سے لوگ بنایا کرتے تھے جن کو علامہ ابن الندیم بغدادی نے مع نام و لقب بیان کیا ہے علمی کتابوں کے ضمن میں جب سحر کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ ہوئیں تو عوام پوری طرح سے ادھر ملتفت ہوئے۔ اس لئے کہ وہم یہ سمایا ہوا تھا کہ سحر کے ذریعہ سے ہر قسم کے عجیب و غریب کام مثلاً ابھارنا۔ توجہ دینا۔ تسلط بٹھانا۔ فوجوں کو شکست دینا۔ دشمنوں کو قتل کر ڈالنا۔ پانی پر چلنا اور دور و دراز مسافتوں کو تھوڑی دیر میں قطع کرنا ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ سحر میں اکثر کتابیں تالیف ہوئیں۔

اس کا بادی ابن ہلال تھا۔ پیشتر اہل عرب ان امور سے ذرا بھی واقف نہ تھے۔ یہ دروازہ اسی نے کھولا۔ وہ اس فن میں سرآمد تھا اور اس نے اکثر کتابیں لکھی تھیں مثلاً۔

۱- ارواح پراگندہ -

۲- مفاخر اعمال -

۳- تفسیر اقوال شیاطین بحضرت سلیمان علیہ السلام -

۴- عہد سلیمانؑ باشیاطینؑ اس کے بعد ابن ہلال کے بہت سے مقلد نکل آئے جنہوں نے اپنی تصانیف میں اس کی پیروی کی ۔ مثلاً ابن امام - صالح حدیری - عقبہ اذرعی - ابوخالد خراسانی - ابن ابی رصاصہ - خلف بن یوسف - حماد بن مرہ - وغیرہ وغیرہ جن کے نام گنانے سے کچھ حاصل نہیں -

مسلمانوں میں شعبدہ کا بھی رواج نہ تھا - پہلے پہل عبید الکیس (فرزانہ) اور ایک اور شخص نے جو قطب الرحا کے نام سے مشہور تھا اس بازی گری میں نام پیدا کیا - اس فن میں ان دونوں کی کئی کتابیں ہیں - مثلاً عبید فرزانہ کی کتاب شعبدہ و کتاب الخرافات اور قطب الرحا کی کتاب جس میں چابکدستی اور ریزہ ریزہ کر ڈالنے اور بیخ کنی کا بیان ہے اور ایک اور کتاب جس میں تلوار اور لکڑی اور پتھر اور چونہ نگل لینے اور صابون و شیشہ چبانے اور کھانے کا تذکرہ ہے اور ان سب کی تدبیریں اور طریقے لکھے ہیں [۲]

غرض کہ اسلام کو ان نکمے خرافات سے کوئی تعلق نہ تھا - یہ آلائش جس سے اس کا دامن آلودہ ہوا یونانی اور رومی تمدن کا بقیہ تھی اور اس پر علماء اسلام نے سخت اعتراضات کئے اور سحر و شعبدہ میں مشغول ہونے والوں کی بڑی توبیخ کی -

---

[۱] کتاب الفہرست صفحہ ۳۱۱ طبع لیپزک

[۲] کتاب الفہرست صفحہ ۳۱۲

کتب سماوی پر ایک نظر

از جناب ذوقی شاہ صاحب

(۳)

توریت اور دیگر کتب عہد عتیق کی ہیئت مجموعی پر مضامین ماقبل میں کافی حد تک اجمالی نظر ڈالی جا چکی ہے اعدا کے ہاتھوں سات مرتبہ اُن کی پوری بربادی اور احباب کے ہاتھوں اُن میں تحریفات و تغیرات و تبدلات کے قصے آپ سن چکے ہیں۔ اب ان کتابوں پر فرداً فرداً تفصیلی نظر ڈالنا باقی ہے مگر اس کے لئے ضخیم مجلدات کی ضرورت ہے۔ اس لیے سردست یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مُشتے نمونہ از خروارے صرف چند کتابوں کے مضامین پر کسی قدر تفصیلی نگاہ ڈالکر یہ تبلایا دیا جائے کہ اِن کتابوں کی اندرونی شہادت ہمیں کس نتیجہ کے نکالنے پر مجبور کرتی ہے۔

توریت | جن کا یہ دعویٰ ہے کہ موجودہ مروجہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی الہامی تصنیف ہے اُن کے دعوی کی تائید اِس توریت سے نہیں ہوتی کیونکہ اِن کتابوں میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف کوئی متکلم کی ضمیر نہیں پائی جاتی بلکہ غائب کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ مثلاً خروج باب ۳ میں درج ہے کہ:۔ "۱۔ اور موسیٰ اپنے سسر تیرو کے جو مدین کا کاہن تھا گلّے کی نگہبانی کرتا تھا۔" "۳۔ تب موسیٰ نے کہا کہ میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔" "۱۱۔ موسیٰ نے خدا کو کہا میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں۔" "۱۴۔ خدا نے موسیٰ کو کہا کہ میں وہ ہوں جو میں ہوں۔" "۱۵۔ پھر خدا نے موسیٰ کو کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہیو کہ ......"۔ اس قسم کی مثالیں توریت میں بکثرت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن عبارات کا لکھنے والا موسیٰ علیہ السلام

غیر کوئی اور شخص ہے۔ یہاں کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ تصنیف و تالیف میں اس زمانہ کا انداز بیان ہی یہ تھا کیونکہ یہ خیال غلط ہے۔ بائبل خود شہادت دیتی ہے کہ اُس زمانہ میں بھی مصنف اپنی تصنیف میں اپنے لئے غائب کی ضمیر استعمال نہ کرتا تھا بلکہ متکلم کی ضمیر استعمال کرتا تھا، چنانچہ دیکھو واعظ کی کتاب باب ا آیہ ۱۲ و ۱۳: "میں واعظ یروشلم میں بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ اور میں نے اپنا دل لگایا کہ جو کچھ آسمان کے نیچے کیا جاتا ہے اُس سب کی تفتیش و تحقیق کروں"۔ آیہ ۱۶ میں ہے کہ "میں نے یہ بات اپنے دل میں کہی" اسی طرح زبور، اور امثال سلیمان اور کتاب نحمیاہ اور یرمیاہ اور حزقی ایل اور ہزاروں دیگر مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ اِن کتابوں میں اس زمانہ کا انداز بیان صاف بتاتا تھا کہ مصنف اپنا حال بیان کر رہا ہے یا کسی غیر کا، مگر توریت میں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہر جگہ غائب ہی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور عبارت کی کسی بات سے ثابت نہیں ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام موجودہ مروجہ توریت کے مصنف ہوں۔

علاوہ ازیں ان کتابوں میں بعض ایسے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جن کا وقوع مسلمہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتابیں حضرت موسیٰ کی تصنیف سے نہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

کتاب پیدائش باب ۱۳ آیہ ۱۸ میں لکھا ہے کہ:- "اور ابرہام نے اپنا ڈیرہ اٹھایا اور ممرے کے بلوطوں میں جو حبرون (Hebron) میں ہے جا رہا"۔ اسی کتاب کے باب ۳۵ آیہ ۲۷ اور باب ۳۷ آیہ ۱۴ میں بھی حبرون کا نام آیا ہے جو ایک گاؤں کا نام ہے مگر یہ نام اس گاؤں کا اس وقت رکھا گیا جبکہ بنی اسرائیل نے فلسطین کو فتح کیا۔ اس سے قبل اس کا نام قریہ اربع تھا (دیکھو کتاب یوشع باب ۱۴ آیہ ۱۵)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ "توریت" فتح فلسطین کے بعد لکھی گئی اور فتح فلسطین موسیٰ علیہ السلام کے بعد واقع ہوئی۔

پیدائش باب ۳۵ آیہ ۲۱ میں ہے کہ:- "پھر بنی اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ مجدال

عدر کے اوس طرف استادہ کیا۔" عدر (Edar) اُس مینارہ کا نام ہے جو یروسلم کے دروازہ پر تھا اور یروسلم کی تعمیر موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد وجود میں آئی تو گویا اس "توریت" کا لکھنے والا وہ شخص تھا جو موسیٰ علیہ السلام سے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوا۔

پیدائش باب ۳۶ آیہ ۳۱ میں ہے کہ:" اور بادشاہ جو ملک ادوم پر مسلط ہوئے پیشتر اس سے کہ بنی اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو یہی ہیں۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش بنی اسرائیل میں چند بادشاہ ہو چکنے کے بعد لکھی گئی۔ اور اول صموائیل باب ۹ و نیز بائیبل کے چند دیگر مقامات کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ یہ بات نبی علیہ السلام کے زمانہ سے بعد کی ہے۔

خروج باب ۱۶ آیہ ۳۵ و ۳۶ میں ہے کہ:" اور بنی اسرائیل چالیس برس تک جبتک کہ وے بستی میں آئے من کھاتے رہے جبتک کہ وے زمین کنعان کی نواحی میں آئے من کھاتے رہے۔ اور ایک اومر ایفہ کا دسواں حصہ ہے۔" اس سے ظاہر ہے کہ کتاب خروج اس وقت لکھی گئی جبکہ بنی اسرائیل کنعان میں پہنچ چکے تھے اور من کا کھانا موقوف ہو چکا تھا اور ایفہ کا وزن رائج ہو چکا تھا اور مطابق کتاب یشوع باب ۵ آیۃ ۱۱ و ۱۲ کے یہ باتیں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں واقع نہیں ہوئیں۔

گنتی باب ۲۱ آیہ ۳ میں ہے کہ:" خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کر دیا اور انہوں نے انہیں اور ان کی بستیوں کو حرم کر دیا اور اس نے اس مقام کا نام حرمہ رکھا۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس وقت تصنیف ہوئی جب کنعانی قتل ہو چکے تھے اور ان بستیوں کا نام حرمہ ہو لیا تھا اور قاضیون کے باب اول آیہ ۱۷ کی رو سے یہ واقعات موسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد کے ہیں۔

گنتی باب ۲۱ آیہ ۱۴ میں ہے کہ:" اس سبب خداوند کے جنگنامہ میں لکھا ہے کہ خداوند آندھی میں وہیب پر قابض ہوا اور ارنون کی نہروں پر۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کے

مصنف موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ اس کا لکھنے والا کوئی اور شخص ہے جس نے بعض حالات کو "جنگنامہ خداوند" سے نقل کیا اور یہ کتاب بقول طامس اسکاٹ مفسر کے کسی اسرائیلی یا بُت پرست نے خداوند کے نام سے تصنیف کی، اور فتحین صیحون کے حالات کو اُس میں درج کیا۔ ان فتحین کا وقوع موسیٰ علیہ السلام سے بعد ہوا اور یہ جنگ نامہ بھی حضرت موسیٰ کے بعد کی تصنیف ہے۔ اول تو یہی بات تعجب کی ہے کہ ایک بُت پرست نے خداوند کے نام سے اِس جنگنامہ کو تصنیف کیا۔ اور دوسری اِس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس جنگ نامہ سے مضامین علانیہ طور پر "توریت" میں نقل کئے جاتے ہیں اور اس توریت کو موسیٰ علیہ السلام کی الہامی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔

گنتی باب ۳۲ آیہ ۴۱ میں ہے کہ: "اور منسی کا بیٹا یائیر نکلا اور اُس نے اُس نواحی کی بستیوں کو لے لیا اور اُن کا نام یائیر بستی رکھا" ونیز استثنار باب ۳ آیہ (۱۴) میں ہے کہ: "منسی کے بیٹے یائیر نے ارجوب کی ساری مملکت کو جسوریوں اور معکاتیوں کی نواحی تک لیلیا اور اس نے اپنے نام پر ان کا نام بائیر کی بستیاں رکھا اور وہی نام آج تک ہے" اول تو یائیر کا منسی کا بیٹا ہونا ہی غلط ہے۔ کیونکہ یائیر منسی کا نہیں بلکہ شجوب کا بیٹا ہے (دیکھو اول تواریخ باب ۲ آیہ ۲۲) شجوب اولاد یہوداہ میں سے تھا اور منسی اولاد یوسف ہے۔ دوم یہ واقعہ یعنی یائیر کا ان بستیوں کو لے لینا موسیٰ علیہ السلام سے بہت مدت بعد کا واقعہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ فقرہ کہ "وہی نام آج تک ہے" دلالت کرتا ہے کہ "توریت" کا مصنف یائیر کے بھی بہت بعد ہوا۔ ہینری اسکاٹ صاحب اپنی تفسیر میں اس جملۂ آخری کا الحاقی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

کتاب استثنار اگر موسیٰ علیہ السلام ہی کی تصنیف ہے جسے آپ نے اپنی دنیا کی اسی زندگی میں تصنیف فرمایا تو اس کتاب کا باب ۳۴ بھی عجیب وغریب باب ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کے انتقال اور آپ کی قبر اور آپ کے دفن ہونے اور آپ کی عمر کے ایک سو بیس (۱۲۰) برس ہونے اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کے غم میں بنی اسرائیل کے تیس ۳۰ دن تک روتے رہنے کا حال درج ہے۔ اور اس باب کی آیہ ۱۰

میں یہ بھی لکھا ہے کہ: "اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا"۔ اس آیۃ میں لفظ "اب تک" جو واقع ہوا ہے اس سے اب کونسا زمانہ سمجھا جائے۔ اس باب نے عیسائی مفسرین کو بھی چکر میں ڈالدیا۔ چنانچہ تفسیر ہینری اسکاٹ میں ہے کہ: "کلام موسیٰ باب گذشتہ پر ختم ہوا اور یہ باب (یعنی باب ۳۴) کسی کا ملایا ہوا ہے وہ شخص یشوع ہو یا سموئیل یا عزرا یا اُن کے بعد کوئی پیغمبر ٹھیک دریافت نہیں ہوتا۔ اس باب کی پچھلی آیات شاید بابل کی رہائی کے بعد عزرا کے عہد میں لکھی گئی ہوں گی"۔ جارج ڈوالی اور رچرڈ منٹ اور پادری یونس سنگھ اور پادری والٹس بھی اس موقع پر تقریباً اسی قسم کے الفاظ لکھتے ہیں۔ پادری فانڈر صاحب "اختتام دینی مباحثہ" کے صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ: "موسیٰ کی پانچویں کتاب کی آخری فصل (یعنی استثنا کا باب ۳۴) جس میں موسیٰ کے وفات کی خبر ہے کسی اور نبی سے اُس کتاب میں الحاق ہوئی ہے"۔ سبحان اللہ! کیا حسن ظن ہے الحاق کرنے والے کے نام کا تو ابھی تک صحیح پتہ چلا نہیں صرف انگلیں ہی دوڑائی جارہی ہیں۔ مگر اس کے نبی ہونے کا یقین ہو گیا

یہ جو بعض اہل کتاب کا خیال ہے کہ عزرا نے گمشدہ توریت کو دوبارہ لکھدیا اور اپنے اس خیال کی تائید میں کتاب عزرا کے باب (۹) اور (۱۰) اور کتاب نحمیاہ کے باب (۸) کو پیش کرتے ہیں یہ خیال اُن کا درست نہیں۔ کیونکہ ان ابواب سے بس اسی قدر پایا جاتا ہے کہ عزرا نے بنی اسرائیل کی حرکتوں پر افسوس کیا اور عید وغیرہ سے متعلق اور طہارت وعبادت کی بابت جو احکام شریعت موسوی میں آئے تھے اور جنہیں بنی اسرائیل اسیری بابل کے زمانہ میں بھول چکے تھے اُن میں سے جو کچھ عزرا کو معلوم تھا وہ انہوں نے بنی اسرائیل کو سکھادیا کیونکہ کتاب عزرا باب ۷۔ آیہ ۶ کے مطابق عزرا موسیٰ کی شریعت میں فقیہ کامل تھا کسی اور مقام اور کسی اور بات سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موجودہ توریت عزرا یا کسی اور نبی کی لکھی ہوئی ہو۔ مضمون نمبر ۱ میں صراحت کردی گئی ہے کہ مروجہ توریت ان پانچ کتابوں پر مشتمل ہے (۱) پیدائش۔ (۲) خروج۔ (۳) احبار۔ (۴) گنتی۔ (۵) استثنا۔ انہیں اہل کتاب خمسہ موسیٰ کے نام سے نامزد

کرتے ہیں۔ مگر حقیقتاً یہ کتابیں کسی ایک شخص کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ اُن کا ماخذ مختلف تحریرات ہیں اور اُن میں اگر غور کیا جائے تو باہمی تخالف اور تباین صاف نظر آتا ہے۔ مثلاً کتاب پیدائش باب ۲۲ آیہ ۱۴ میں ہے کہ ابراہیم نے اس مقام کا نام جہاں اپنے بیٹے اسحٰق کی قربانی کرنا چاہی تھی "یہوواہ یری" رکھا لیکن خروج باب ۶ آیہ ۳ میں خدا فرماتا ہے کہ ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب مجھے "خدائے قادر مطلق" کے نام سے جانتے تھے اور "یہوواہ" کے نام سے واقف نہ تھے۔ استثنا باب ۵ آیہ ۲۲ میں ہے کہ خداوند نے دو لوحوں پر احکام لکھدیے اور اس سے زائد نہ فرمایا لیکن خروج باب ۲۰ آیہ ۷ سے پتہ چلتا ہے کہ اور بھی احکام بڑھائے گئے۔ پیدائش باب ۶ آیہ ۶ میں ہے کہ خدا انسان کو پیدا کرکے پچھتایا۔ مگر گنتی باب ۲۳ آیہ ۱۹ میں ہے کہ خدا آدم زاد نہیں جو پچھتاوے۔ استثنا باب ۵ آیہ ۹ میں خداوند کا یہ قول درج کیا گیا ہے کہ میں باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ ان کی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک لیتا ہوں۔ مگر اسی کتاب کے باب ۲۴ آیہ ۱۶ میں ہے کہ اولاد کے بدلے باپ دادے نہ مارے جائیں۔ نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کیجاوے۔ پیدائش باب اول کی رو سے پہلے جانور پیدا ہوئے اور بعد میں انسان۔ مگر اسی کتاب کے دوسرے باب کی رو سے پہلے انسان کی پیدائش ہے پھر حیوان کی۔ اس قسم کے اختلافات "خمسہ موسیٰ" میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور اسی بنا پر زمانہ حال کے محققین یورپ بھی اِن کتابوں کے مختلف ماخذ ہونیکو تسلیم کرتے ہیں۔

کتاب عزرا | گو بعض علمائے عیسائی موجودہ توریت کو عزرا کی جمع کردہ کتاب تصور کرتے ہیں مگر تماشہ کی بات تو یہ ہے کہ خود عزرا کی کتاب جو بائیبل میں شامل ہے عزرا کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ مفتاح الکتاب (لندن ٹریکٹ سوسائیٹی) کے صفحات ۱۳۲ و ۳۲۳ کی رو سے پہلی اور دوسری تواریخ اور عزرا اور نحمیاہ اور آستیر اور ملاکی قیاساً شمعون الصادق کی لکھی ہوئی ہیں اور ان چھ کتابوں کی تصنیف کا وقت دو سو بانوے (۲۹۲) برس قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے یعنی عزرا سے قریب ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال بعد "کتاب عزرا" کو شمعون نے لکھا۔ اس کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے سے بھی پورا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت عزرا کی تصنیف کسی

صورت سے نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے حالات میں شمعون نے چند سنی سنائی باتیں لکھدیں۔ یہی حال ملاکی نحمیاہ اور استر کی کتابوں کا بھی ہے۔

کتاب یشوع کچھ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت یشوع کی کتاب کس کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر لائٹ فٹ کے نزدیک فنحاس کی اور کالون کے نزدیک العاذر کی اور ہنری کے نزدیک یرمیاہ کی اور وانٹل کے نزدیک سموئیل کی یہ تصنیف ہے پادری یوس سنگھ اور پادری والش اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر گمان کرتے ہیں کہ پچھلی پانچ آیتوں کے سوا باقی کل کتاب یوشع نے لکھی۔ لیکن یہ صرف گمان ہے یقین نہیں مضامین کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف یا تو مصنف کتاب یسیر کا ہمعصر ہے یا داؤد علیہ السلام کے زمانے کے بعد یعنی حضرت یشوع کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوا۔

قاضیون کی کتاب اس کتاب کے مصنف کا بھی صحیح حال معلوم نہیں بعض لوگ سموئیل کو قاضیون کی کتاب اور روت کی کتاب کا مصنف خیال کرتے ہیں مگر یہ محض اٹکل ہے نہ کہ امر یقینی۔

کتاب ایوب اس کتاب کے متعلق عیسائی علما نے جو کچھ تحریر کیا ہے اسے دیکھکر اس نتیجہ پر آنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ نہ صرف اس کتاب بلکہ ایوب علیہ السلام کے صحیح حالات تک سے باخبر نہیں بعض الیہو کو بعض موسیٰ کو اور بعض ایوبؑ کو اس کا مصنف خیال کرتے ہیں۔ مگر اسی کتاب کے باب ۳۲ آیہ ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ الیہو حضرت ایوبؑ سے تقریر کرنے والوں میں تھا نہ کہ مصنف کتاب۔ موسیٰ علیہ السلام بھی اس کتاب کے مصنف نہیں ہو سکتے کیونکہ عیسائی مصنفین ہی کی تحقیقات کی رو سے ایوب علیہ السلام کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے گذرا۔ مفتاح الکتاب کے صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے ایوب علیہ السلام کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل ٹھیرایا ہے اور لکھا ہے کہ ایوب اس زمانہ کا نور تھا جو نوح اور ابراہیم کے درمیان گذرا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۵ پر یہ بھی درج ہے کہ کتاب ایوب (۲۱۸۰) یا (۲۱۳۰) برس قبل مسیح تصنیف ہوئی۔ ایسی صورت میں موسیٰ علیہ السلام اس کتاب کے مصنف نہیں ہو سکتے۔ ٹامس اسکاٹ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایوب علیہ السلام کی اس کتاب کو عربی زبان سے عبرانی زبان میں ترجمہ کیا لیکن اس کا کوئی معقول ثبوت پیش نہیں کرتے۔ اگر بفرض محال اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی یہی کہنا پڑیگا کہ اصل عربی نسخہ مفقود ہے اور صرف ترجمہ موجود ہے جس کی صحت کی بابت کچھ نہیں کہا جا سکتا بلکہ جسمیں غلطیوں کا احتمال قوی ہے۔ کتاب کے مضامین پر اگر غور کیا جائے تو حضرت ایوب کی تصنیف بھی اسے نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں ایوب علیہ السلام کا نام ہر جگہ بصیغۂ غائب آیا ہے۔ ٹامس اسکاٹ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں ایوب علیہ السلام کے متعلق بھی اختلاف ہے بعض انھیں نسل بساؤ سے تبلاتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور ان کی تیسری بی بی قطورہ سے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ناحور کی اولاد سے ہیں غرضکہ نہ صرف کتاب ایوب بلکہ ایوب علیہ السلام کا حال بھی اہل کتاب کو تحقیقی طور پر معلوم نہیں۔ علاوہ اس کے اگر ان اقوال میں سے ایک بھی قول صحیح نکلا تو لازم آئیگا کہ حضرت ایوب بنی اسرائیل میں سے نہ تھے اور ثابت ہو جائیگا کہ نبوت خاندان بنی اسرائیل ہی میں محدود نہیں۔

زبور مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق زبور وہ صحیفۂ سماوی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے داؤد علیہ السلام پر نازل ہوا لیکن جو زبور کہ موجودہ مجموعہ کتب عہد عتیق میں شامل ہے وہ ایک مرتبان ہے چوں چوں کے مربّے کا جس میں متعدد مختلف مصنفین کی قابلیت کی چاشنیاں مجتمع ہیں۔ تمہیدی باب کسی عیسائی کا لکھا ہوا ہے۔ اور بقول پادری جوسف اڈوین کے ایک[۱] زبور کے مصنف موسیٰ علیہ السلام ہیں، جو کہ داؤد علیہ السلام سے قریب پانچ سو برس پہلے مبعوث ہوئے تھے، بہتّر (۷۲) زبوروں کے مصنف داؤد علیہ السلام، دو زبوروں کے مصنف سلیمن علیہ السلام، بارہ[۱۲] زبوروں کے مصنف آصف ایک زبور کے مصنف ایتان، گیارہ زبوروں کے مصنف بنی قرح، اور اکیاون (۵۱) زبوروں کے مصنف نامعلوم ہیں۔ یہ سب ملکر ایک سو پچاس (۱۵۰) زبوریں ہوئیں جو کہ موجودہ مجموعہ میں درج ہیں۔

بلحاظ مصنفین کے ان زبوروں کی ترتیب بھی بے تکی اور بے اصول واقع ہوئی ہے۔

سموئیل سموئیل کی دونوں کتابوں کے مصنف کا حال بھی معلوم نہیں۔ مفتاح الکتاب کے صفحہ ۸۹ پر ہے کہ ان دونوں کتابوں کا نام سموئیل اس لئے رکھا گیا کہ اس مشہور نبی نے پہلی کتاب کے اکثر باب تصنیف کئے۔ چنانچہ ربیوں کی روایت سے معلوم ہوا کہ پہلی کتاب کے چوبیں باب جن میں سموئیل کی پیدائش اور اعمال واحوال کا بیان ہے خود اسی نبی کے لکھے ہوئے ہیں اور اس کتاب کے باقی باب اور دوسری کتاب بالکل جاد اور ناتن نبیوں نے لکھی۔ چنانچہ اول سموئیل باب ۲۵ آیہ ۱ میں حضرت سموئیل کی وفات کا ذکر ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ اول کتاب سموئیل از باب ۲۵ تا آخر کتاب اور پوری کتاب دوم سموئیل کو حضرت سموئیل نے اپنی وفات کے بعد تصنیف کیا۔ ان دونوں کتابوں پر تنقیدی نظر ڈالنے سے بکثرت ایسے مقامات ان میں ملتے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مصنف نہ حضرت سموئیل ہیں نہ حضرت جاد نہ حضرت ناتن۔

سلاطین سلاطین کی دونوں کتابوں کے متعلق بھی اسی قسم کی بحث ہے۔ عیسائی مفسرین میں ان کے مصنفوں کے متعلق اختلاف ہے اور کتابوں کے مضامین ان مفسرین کے کسی بیان کی تائید نہیں کرتے

واعظ کتاب واعظ عام طور پر سلیمان علیہ السلام کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ مگر یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم ربی قمچی اسے یسعیاہ کی تصنیف کہتا ہے بعض علماء اسے تصنیف حزقیاہ قرار دیتے ہیں علماء جرمنی کا خیال ہے کہ قید بابل کے بعد یہ تصنیف وجود میں آئی یعنی سلیمان علیہ السلام سے قریب چار سو برس بعد۔

امثال سلیمان اس کتاب کے باب ۲۵ آیہ ۱ میں ہے کہ: "یہ بھی سلیمان کے امثال ہیں جنہیں شاہ یہوداہ حزقیاہ کے رفیقوں نے فلسبند کیا"۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کے تین سو برس بعد۔ اور آیت مندرجہ بالا بھی حزقیاہ کے رفیقوں کے بعد کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں ان کا ذکر بصیغہ غائب آیا ہے۔ اسی کو الحاق

کہتے ہیں۔ امثال کے آخری دو باب اجور اور لموئیل کے تصنیف کئے ہوئے ہیں اور ان دونوں اشخاص کا حال اہل کتاب کو بھی صحیح طور پر معلوم نہیں صرف انکلیں دوڑاتے ہیں۔ ہولڈن کا خیال ہے کہ لموئیل سلیمان علیہ السلام کا نام ہے۔ ہینری و اسکاٹ اپنی تفسیر میں اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔

سلاطین اول باب ۴ آیہ ۳۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمن علیہ السلام نے تین ہزار امثال بیان کیں۔ لیکن یہ امثال سب کی سب موجودہ کتاب امثال میں درج نہیں۔ اس سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ کتاب امثال میں چند ابواب بعد میں بڑھا دئے گئے بلکہ اصل کتاب سے بہت کچھ ضائع بھی ہوچکا ہے یعنی دونوں طرح کی آفتیں اس کتاب پر نازل ہوئیں۔ بڑھانے کی بھی اور گھٹانے کی بھی۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ کتاب واعظ اور کتاب امثال سلیمان علیہ السلام کے بڑھاپے کے زمانے کی تصنیف بیان کی جاتی ہیں۔ اور بڑھاپے میں جو اُن کی کیفیت تھی وہ کتاب سلاطین اول باب ۱۱ میں بالتفصیل درج ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"سلیمن بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں کو چاہتا تھا اور یہ عورتیں اُن بُت پرست اقوام کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ نہ تم ان کے پاس جاؤ نہ وہ تمہارے پاس آویں ورنہ وہ یقیناً تمہارے دلوں کو اپنے باطل معبودوں یعنی بُتوں کی طرف مائل کردیں گی مگر سلیمان انہیں سے عاشق ہو کر لپٹا۔ اُس کی سات سو بیگمات اور تین سو خواص تھیں جنہوں نے بڑھاپے میں اُس کے دل کو خدا کی طرف سے برگشتہ کرکے بُتوں کی طرف مائل کردیا۔ اُس نے بیت المقدس کے مقابلے میں بت خانہ بنوایا اور بتوں کو پوجنے لگا۔ اس لئے خداوند سلیمان پر غضب ناک ہوا۔"

اب اگر اس تمام کذب بیانی اور بیہودہ گوئی کو مان لیا جاے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک بت پرست جس پر خدا غضب ناک ہوا الہام یافتہ ہوسکتا ہے؟ اور کیا اُس پر الہامی کتابیں اللہ کی طرف سے نازل ہوسکتی ہیں؟ اگر یہ کتابیں یا ان میں سے ایک بھی الہامی نہیں تو ۲ تمطاؤس باب ۳ کی آیہ ۱۶

غلط ٹھیرگئی جس میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ عہد عتیق کی ہر کتاب الہام سے ہے اور لوگوں کی تعلیم و تربیت و اصلاح کے لئے آئی ہے۔

غزل الغزلات | اب کتاب غزل الغزلات کا بھی حال سن لیجئے۔ ٹامس اسکاٹ اپنی تفسیر میں اس کتاب کے متعلق پہلے یہ لکھتے ہیں کہ :-

"تحقیق طور پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کے مصنف سلیمان ہیں جیسے امثال اور واعظ کے اور ہمیشہ اسے ایسا سمجھنا چاہیے جیسے پاک کتاب پس جس طرح اور الہامی کتابوں کو پڑھتے ہیں اسی طرح (یعنی عقیدت و ادب سے) اس کو بھی پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ کتاب بھی مثل اور کلام الٰہی کے ہے"

پھر یہی مفسر پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

سلیمٰن نے بہت سی غزلیں کہیں ان میں بیشک سب بہت دانشمندی کی تھیں لیکن صرف یہی مقدس غزلیں بچ رہیں اور کتب مقدسہ میں شامل کی گئیں"

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ :- "حضرت سلیمٰن نے جب کہ فرعون کی بیٹی سے اُن کی شادی ٹھیری یہ پاک غزلیں تصنیف کیں"۔

سلاطین اول باب ۴ آیہ ۳۲ کی رو سے سلیمٰن علیہ السلام نے ایکہزار پانچ (۱۰۰۵) گیت کہے تھے مگر اب ان میں سے صرف اسی قدر باقی ہیں جو کتاب غزل الغزلات میں شامل ہیں۔ اور اس پوری کتاب میں آجکل صرف آٹھ ہی مختصر ابواب پائے جاتے ہیں جن میں کل ایکسو ستره (۱۱۷) آیات ہیں۔ اہل کتاب کا اتفاق ہے کہ بقیہ گیت ضایع ہوگئے۔ اس سے عہد عتیق کی کتب مقدسہ کی بربادی کے قصوں کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔

ہم نے اپنے مضمون کے نمبر ۱ میں اِن کتابوں کی بربادی کے واقعات رحبعام شاہ یہود کے عہد (۹۷۱ سنہ قبل مسیح) سے بیان کئے ہیں۔ اور بقول علمائے اہل کتاب حضرت سلیمٰن کی کتاب غزل الغزلات کی تصنیف رحبعام کے عہد سے

قبل ۶۱۱ سنہ قبل مسیح میں ہوئی۔ کیا عجب ہے کہ ان بربادیوں کے واقعات کا عدد جو ہمنے سات یا آٹھ بیان کیا ہے وہ حقیقتاً اس سے بھی زاید ہو۔

اس سلسلہ میں جو اہم بات قابل غور ہے یہ ہے کہ استثنار باب ۷ آیہ ۲ و ۳ کی رو سے بنی اسرائیل کو غیر اقوام کے لوگوں اور اجنبی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز ہے ایسی صورت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا نے خود ہی تو بنی اسرائیل کو اجنبی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی اور خود ہی فرعون کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے میں حضرت سلیمان کو عاشقانہ غزلوں کا الہام فرمایا۔

بعض عیسائی کہتے ہیں کہ اس کتاب میں استعارہ کے طور پر مسیح اور کلیسا کی محبت باہمی کا بیان ہے۔ مگر غزل الغزلات میں اس کا کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا۔ ساری کتاب حسن و عشق کے مضامین سے پُر ہے جن میں مجازی کا پہلو غالب ہے اور اول سے آخر تک خدا کا کہیں ذکر تک نہیں آیا۔ ہم چاہتے تھے کہ اُس مقدس الہامی کتاب کے چند اقتباسات یہاں درج کرتے تاکہ ناظرین خود ہی فیصلہ کر لیتے اور اُنہیں اطمینان ہو جاتا کہ ان مضامین کو مسیح اور کلیسا کے عشق باہمی سے بہت بُعد ہے لیکن یہ کتاب اِس درجہ مقدس واقع ہوئی ہے کہ اِس کے دو چار فقرے بھی یہاں درج کر دیئے جائیں تو یہ مضمون ہمارے ملک کی شریف خاتونوں اور ہمارے بھولے اور معصوم لڑکوں کے پڑھنے کے قابل نہ رہے۔ اس لئے جو حضرات اِن الہامی برکات سے متمتع ہونا چاہتے ہیں وہ کتاب غزل الغزلات ہی کی سیر فرمائیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ حضرت سلیمن علیہ السلام کی شان بہت ارفع ہے اِس سے کہ یہ کتاب اُن سے منسوب کی جاوے۔

آستر:- آستر کی کتاب جو کہ الہامی نوشتوں میں شامل ہے عجیب قسم کی الہامی کتاب ہے جس میں نہ کہیں خدا کا نام آیا ہے نہ کسی نبی کا ذکر ہے نہ پند ہیں نہ نصائح بلکہ ایران کے ایک بُت پرست بادشاہ کی عیاشی، مے نوشی اور حرامکاری کے واقعات اس میں درج ہیں۔ بادشاہ عیش و عشرت کا ایک جشن مقرر کرتا ہے اُس کے سب اُمراء اور عہدہ دار اُس میں شریک ہوتے ہیں شراب کا دور چلتا ہے۔ بادشاہ شراب کی مستی میں

حکم دیتا ہے کہ ملکہ جو کہ نہایت حسین عورت ہے زیب و زینت سے آراستہ ہو کر اُس محفلِ جشن میں حاضر ہو تاکہ سب درباری اُس کے حسن و جمال کو دیکھیں اور اس شمع حسن کے پروانہ بنیں۔ مگر ملکہ اس حکم کی تعمیل سے انکار کرتی ہے۔ بادشاہ اس حکم عدولی پر غضب آلود ہوتا ہے۔ اور ملکہ کو معزول کر دیتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کا دل بہلانے اور اُس کی تفریح کے لئے سلطنت کے ہر کونے اور ہر صوبے اور ہر شہر سے سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان خوبصورت اور باکرہ لڑکیاں چھانٹ چھانٹ کر لائی جاتی ہیں اور خواجہ سرا کے سپرد کی جاتی ہیں جو زیب و زینت سے ان لڑکیوں کو آراستہ کرتا ہے۔ پھر وہ لڑکیاں باری باری سے شام کو بادشاہ کے محل میں داخل ہوتی ہیں اور صبح کے وقت وہاں سے رخصت ہوتی ہیں اور دوبارہ ان کے محل میں داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی تاوقتیکہ کسی خاص لڑکی کو خاص طور پر بادشاہ دوبارہ طلب نہ کرے۔ اسی سلسلہ میں ایک یہودی کی لڑکی بھی محل شاہی میں داخل ہوتی ہے جو اپنے غیر معمولی حسن و جمال اور اپنی دلکش اداؤں سے بادشاہ کو اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ اور بالآخر وہاں کی ملکہ بنجاتی ہے۔ اس یہودی ملکہ کے بادشاہ پر تسلط پا لینے کی بدولت یہودیوں کی قوم جو اُس ملک میں ذلیل تھی باعزت ہو گئی، غلام تھی آقا بنگئی، مظلوم تھی ظالم ہو گئی، محکوم تھی حاکم ہو گئی۔ اس "نوشتہ الہامی" میں اسرائیلی مبلغین کے لئے شاید کوئی تعلیمی نکتہ مخفی ہو تو ہو، مگر متبعین مذہب کی تعلیم و اصلاح کے لئے ایک بھی بات نہیں پائی جاتی۔ اس کتاب کے مطالعہ کے وقت الف لیلہ کے قصوں اور بائیبل میں امتیاز اٹھ جاتا ہے۔ بکثرت عیسائی متقدمین کو بھی اس کتاب کی صحت میں شبہ تھا چنانچہ کے۔ ہیر بلڈ اپنی کتاب کے جلد ۲ صفحہ ۴۴۲ پر لکھتے ہیں کہ۔ "سینٹ ملیٹو نے کتب واجب التسلیم کی فہرست میں اس کا نام درج نہیں کیا" یوسی بیس اپنی تاریخ کلیسا میں لکھتے ہیں کہ "سینٹ گریگری نازین زین نے اپنے اشعار میں صحیح کتابوں کے نام درج کئے ہیں مگر ان میں اس کتاب کا نام نہیں لائے" پادری ڈینس سنگھ اور پادری واٹس اپنی کتاب سوال و جواب میں سوال نمبر ۱۳ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:۔ اس کتاب

کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خدا کا نام مذکور نہیں ؛

کتب بقیہ | عہد عتیق کی بقیہ کتب مروجہ کا بھی کم وبیش ایسا ہی حال ہے۔ نہ ان کے مصنفین کا کسی کو یقینی طور پر علم ہے، نہ ان کے ماخذ کی بابت کچھ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے، نہ ان کے متعلق علمائے اہل کتاب بالتحقیق کہہ سکتے ہیں کہ ان میں اصلی حصہ کس قدر ہے اور الحاقی حصہ کس قدر، اور ان میں سے جو عبارات غائب کر دی گئی ہیں وہ کیا کیا ہیں۔ بعض کتابوں کے غیر معتبر ہونے کا اقرار کرنے پر تو عیسائی علماء بھی مجبور ہو گئے ہیں۔ مثلاً نحمیاہ یسعیاہ ذکریاہ روت حبقوق وغیرہم۔ یہ اُن کتابوں کے علاوہ ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پادری فانڈر صاحب اپنی کتاب "اختتام دینی مباحثہ" کے صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ :- "توریت کے سب صحیفے (جو انتالیس ہیں) نبیوں کے وسیلہ سے لکھے گئے حضرت موسیٰ کے ایام تخمیناً پندرہ سو برس قبل مسیح سے حضرت ملاکی نبی تک کہ چار سو برس قبل مسیح میں تھے مگر بعض صحیفوں کی بابت معلوم نہیں کہ کس نبی کے ہاتھ سے لکھے گئے ہیں مثلاً ایوب روت سلاطین وغیرہ کے حق میں یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ کس نبی نے ان کو لکھا ہے اور بعض کتب میں اور نبیوں کی بات بھی داخل ہے مثلاً زبور میں اکثی زبور ہیں جو حضرت داؤد سے نہیں ہیں اور ایسے ہی حضرت موسیٰ کی کتاب کی آخری فصل جس میں موسیٰ کی وفات کی خبر ہے کسی اور نبی سے اس کتاب میں الحاق کی گئی۔" پھر اسی صفحہ پر آگے چلکر پادری فانڈر صاحب لکھتے ہیں کہ :- "نبیوں کے سب گذارشات اور نام اور کلام اور ان کا سب لکھا ہوا بھی توریت میں داخل نہیں ہوا ہے۔"

کذب وافتراء | ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ پر بھی نعوذ باللہ بہت کچھ کذب اور بہتان لگایا گیا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ نقل کفر کفر نباشد۔ پیدائش باب ۶ آیہ ۶ میں ہے :-

"خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا دونگا انسان کو اور

جو ان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندے تک کیونکہ میں ان کے بنانے

سے پچھتاتا ہوں "

یہاں اللہ تعالیٰ کو بھی معاذ اللہ ایک انسان سمجھ لیا گیا ہے جو بے سوچے سمجھے ایک کام کر بیٹھتا ہے اور بعد میں پچھتاتا ہے۔ حزقی ایل باب ۲۰ آیہ ۲۵ میں ہے:۔

"سو میں نے انہیں وہ سنتیں دیں جو بھلی نہ تھیں (یعنی بُری تھیں) اور وہ قوانین دیے جن سے وہ جیتے نہ رہیں"

معلوم ہوا کہ ان کا خدا اس دنیا میں ایسے احکام بھی نافذ کرتا ہے جن کی تعمیل موجب ہلاکت ہو۔ پیدائش باب ۱۸ آیہ ۲۱ میں ہے:۔

"میں اب اُتر کے دیکھونگا کہ انہوں نے سراسر اُس چلانے کے مطابق جو مجھ تک پہنچا ہے کیا ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو میں دریافت کرونگا"

یعنی ان کا خدا عالم الغیب نہیں۔ یسعیاہ باب ۳ آیہ ۱۷ میں ہے:۔

"خداوند صیحون کی بیٹیوں کی چندیوں کو گنجی کرڈالے گا اور خداوند ان کی اندام نہانی کو برہنہ کرے گا"

سبحان اللہ! ان لوگوں کا تخیل خدا کے متعلق کس قدر غیر متمدنانہ اور حیا سے دور واقع ہوا ہے۔ صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کتاب ہوسیع کے باب ۱ آیہ ۲ کو بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے:۔

"خداوند نے ہوسیع کو (جو کہ ایک پیغمبر تھے) فرمایا کہ جا اور ایک زناکار عورت اور زنا کے لڑکے اپنے لئے لے"۔

یعنی ایک زانیہ عورت سے زنا کرکے ولد الحرام لڑکے اپنے لئے پیدا کر۔ چنانچہ اس کتاب کا بیان ہے کہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اسی باب میں اس حکم خداوندی کے بعد آیہ ۳ میں ہے:۔

"پس اس نے (یعنی ہوسیع نے) جاکر دلبیم کی بیٹی جومر کو لیا۔ وہ حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی"

پھر اسی کتاب کے باب ۳ آیہ ۱ و ۲ میں انہیں پیغمبر صاحب سے یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ:-

"خداوند نے مجھے فرمایا کہ پھر جا اور ایک عورت سے جو اس کے دوست کی پیاری ہے مگر زانیہ ہے محبت کر۔۔ × × سو میں نے اس کو پندرہ چاندی کے سکوں اور ڈیڑھ خومر جَو میں اپنے لئے مول لیا۔"

نکاح میں لانے کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ جس قوم نے اپنے خدا کے ساتھ اس قسم کی بیہودگیاں اور گستاخیاں کی ہیں اس کے ہاتھ سے انبیاء علیہم السلام کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ ہوسیع نبی پر زنا کی تہمت کے علاوہ سلیمن علیہ السلام کی غزل الغزلات اور اپنی بت پرست بیویوں کے اثر سے بڑھاپے میں ان کے بت پرست بن جانے کا جو اتہام آپ کی قوم نے آپ پر لگایا اس کا حال تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ مگر توہین انبیاء کے چند اور نمونے بھی ذرا ملاحظہ ہوں۔

۱۔ لوط علیہ السلام پر اتہام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے شراب پی اور نشہ کی حالت میں اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا اور وہ دونوں بیٹیاں اس زنا سے حاملہ ہوئیں۔ اس کی تفصیل کتاب پیدائش باب ۱۹ میں آیہ ۳۰ سے آخر باب تک درج ہے۔ بڑی بیٹی کے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام موآب رکھا گیا۔ اسی موآب کی نسل سے داؤد علیہ السلام کا پیدا ہونا بھی تسلیم کیا گیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا بھی۔ حالانکہ کتاب استثنار باب ۲۳ آیہ ۱ تا ۳ میں یہ بھی درج ہے کہ کوئی حرامی بچہ خداوند کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتا اور اس کی اولاد دسویں پشت تک خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہوگی۔

۲۔ یہوداہ اپنے بڑے بیٹے عیر کیلئے ایک عورت جس کا نام تمر تھا بیاہ لایا۔ چند روز بعد عیر مر گیا۔ تب یہوداہ نے اپنے دوسرے بیٹے اونان کو حکم دیا کہ:- اپنے بھائی کی جورو کے پاس جا اور اپنی بھاوج کا حق ادا کر اور اپنے بھائی کے لئے نسل چلا۔ کچھ دن بعد اونان بھی مر گیا۔ اس کے بعد ایک ایسا موقعہ آتا ہے جب یہوداہ

خود اپنی بہو سے زنا کرتا ہے اور اُس زنا سے توام لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے ایک کا نام پھارس اور دوسرے کا ضارہ رکھا گیا ۔ اس افسانہ کی تفصیل کتاب پیدائش باب ۳۸ میں درج ہے ۔ تماشہ کی بات یہ ہے کہ یہ وہی پھارس ہیں جو داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے اجدادمیں شمار کئے گئے ہیں

۳ - داؤد علیہ السلام پر یہ اتہام کہ انہوں نے اوریاہ کی بیوی کے ساتھ نعوذ باللہ زنا کیا سموئیل دوم کے باب ۱۱ میں بالتفصیل درج ہے ۔ جو صاحب اس طرح تولد ہوئے اُن کا نام بھی مسیح علیہ السلام کے اجداد کی فہرست میں داخل کیا جاتا ہے ۔

۴ - ابراہیم علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کی تہمت پیدائش باب ۱۲ آیہ ۱۹ میں درج ہے ۔

۵ - اسحٰق علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کی تہمت پیدائش باب ۲۶ آیہ ۹ میں موجود ہے ۔

۶ - یعقوب علیہ السلام کا جھوٹ بولکر بڑے بھائی کی برکت خود لے لینا پیدائش باب ۲۷ میں مذکور ہے ۔

۷ - سمرون کے چار سَو نبیوں کا نعوذ باللہ خدا کے ایما اور خدا کی بھیجی ہوی ایک روح کے ورغلانے سے جھوٹ بولنے کی عجیب وغریب کہانی تواریخ دوم باب ۱۸ میں بیان کی گئی ہے ۔

۷ - حضرت نحمیاہ کا فارس کے بُت پرست بادشاہ کی شراب پلانے کی نوکری کرنا اور اسے شراب پلانا اور اس نبی کا اُس بادشاہ سے (یعنی غیر اللہ سے) ڈرنا کتاب نحمیاہ باب ۱ آیہ ۱۱ اور باب ۲ آیہ ۱ اور آیہ ۲ میں لکھا ہوا ہے ۔

۸ - اسحٰق علیہ السلام کا اپنے بیٹے یعقوب علیہ السلام کے ہاتھ سے شراب پینا اور اس کے بعد اپنے بیٹے کو دعائے برکت دینا بھی کتاب پیدائش باب ۲۷ آیہ ۲۵ میں مندرج ہے ۔

۹ - کتاب پیدائش کے باب ۲۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسحٰق علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے اور اسحٰق علیہ السلام ہی ذبیح اللہ تھے ۔ گریہ اسمٰعیل علیہ السلام پر ظلم ہے تعجب تو یہ ہے کہ اسحٰق علیہ السلام کے

اکلوتے بیٹے ہونے کی تردید اسی کتاب پیدائش سے ہوتی ہے جس کے ابواب ۱۵-۱۶-۱۷ اور ۱۷ کے مطالعہ سے نہایت صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام (۸۶) برس کی عمر تک بے اولاد رہے۔ انہیں اولاد کی تمنا ہوئی تو حضرت ہاجرہ کے شکم سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جو ایک عرصہ تک اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے رہے جب ابراہیم علیہ السلام (۱۰۰) برس کے ہوئے تو فضل الٰہی سے آپ کے دوسرے فرزند یعنے اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس سے کتاب پیدائش کے باب ۲۲ کا الحاقی ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر یہ باب الحاقی نہیں تو ابواب ۱۵-۱۶-اور ۱۷ کو الحاقی ماننا پڑیگا۔

۱۰- محرفین توریت نے بہت بڑا غضب یہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کو کتاب خروج کے باب ۳۲ میں بانیٔ گوسالہ پرستی بنا کر خدا پرستوں کے زمرہ سے خارج کر دیا۔ مگر اسی کتاب کے اسی باب کی آیات ۳۳ و ۳۵ و ۲۸ سے اس اتہام کی صاف تردید ہو جاتی ہے۔ آیہ ۳۳ میں ہے کہ خدا نے موسیٰ سے کہا کہ جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اُسی کو اپنے دفتر سے میٹ دونگا۔ اور آیہ ۳۵ میں ہے کہ خدا نے اُس بچھڑے کے بنائے جانے کے سبب لوگوں پر مری یعنی وبا بھیجی۔ اور آیہ ۲۸ میں ہے کہ اُس دن گوسالہ پرستی کی سزا میں تین ہزار آدمی مارے گئے۔ مگر ہارون علیہ السلام ان تین سزاوں میں سے کسی ایک سزا کے بھی متوجب نہ ٹھیرے نہ وہ قتل کئے گئے۔ نہ مری یعنی وبا نے انھیں ستایا۔ نہ خدا کے دفتر سے ان کا نام کاٹا گیا بلکہ متعدد موقعوں پر انہیں برگزیدہ اور مقدس کہا گیا اور انہیں کی نسل میں کاہن کا عہدہ مقرر رہا۔

شاعرانہ مبالغے قطع نظر ان جملہ امور کے جو اب تک اس سلسلۂ مضامین میں بیان ہو چکے ہیں اگر صرف زبان اور انداز بیان اور عبارت کے وقار اور اُس کی متانت کو دیکھا جائے تو مروجہ کتب عہد عتیق نہ کلام الٰہی معلوم ہوتی ہیں نہ انبیاء علیہم السلام کے الہامی نوشتے۔ کہیں شاعرانہ مبالغے ہیں کہیں رکیک الفاظ کہیں حیا سوز کلمات، جن کی مثالوں کے پیش کرنے کے لئے نہ یہاں موقع ہے نہ گنجایش۔ یہ رکاکت اور بعید از صدق مبالغے عادت انسانی ہی سے متعلق ہیں نہ کہ الہام ربانی سے۔

ناقابل ہدایت عہد عتیق کی کتابوں پر اپنے اس تبصرہ کو ہم ایک عیسائی محقق کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ پادری بیدلی صاحب ایک رومن کیتھولک محقق ہیں جنہوں نے پراٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائیوں کو مخاطب کرکے ایک کتاب لکھی ہے جس کا ترجمہ ٹامس انگلس صاحب نے اردو میں کرکے اس کا نام مرآت الصدق رکھا ہے۔ اس کے صفحہ ۱۱۹ پر کتب عہد عتیق و جدید کے ناقابل اعتبار ہونے پر زور دیا گیا ہے اور بالآخر لکھا ہے کہ:

"اب میں کسی پراٹسٹنٹ سے پوچھتا ہوں کہ بھلا کیا وہ اپنی نجات کی بابت صرف ایک ایسی کتاب کے بھروسہ پر رکھ سکتا ہے جسے وہ کلام الٰہی ثابت نہیں کرسکتا ایک کتاب جسے وہ سمجھ نہیں سکتا ایک کتاب جسے جُہلا و ضعفاء (یعنی ضعیف اعتقاد والے) اپنی ہلاکت کے لئے پڑھتے ہیں ایک کتاب جس کے اکثر حصّے کھوئے گئے ہیں ایک کتاب جو بہت غلطیوں سے بھری گئی اور ناقص کی گئی ہے اور جس میں نجات پانے کی سب ضروری چیزیں نہیں ہیں۔ ایسی کتاب کیا ایمان کا قاعدہ کل و متکفل نجات ہوسکتی ہے؟"

اب ہم اس سلسلہ مضامین کے آئندہ نمبر میں عہد جدید کی کتب مقدسہ پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔

(باقی)

قرآنی نسخۂ اصلاح

الحاج مولنا ابو الخیر محمد خیر اللہ صاحب خیر سنوسی القادری (ورنگل)

دنیا جانتی ہے کہ اسلام سے پہلے شراب عرب کی گھٹی میں پڑی ہوی اور اپنے چاہنے والوں کا عیب نہیں ہنر بنی ہوی تھی چھوٹے نہیں بڑے' ادنی نہیں اعلی طبقہ کے لوگ علانیہ خم کے خم لنڈھاتے اور داد امتیاز حاصل کرتے تھے جس طرح اور دوسرے امور میں احکام اسلام تدریج نازل ہوتے رہے ہیں۔ اس خصوص میں بھی ایک تدریجی تعلیم کا مرقع اسلام نے اپنے فرزندوں کے روبروپیش فرمایا۔

شراب میں جہاں شدت کی خرابیاں ہیں وہاں خوشوقتی' اور سرور خاطر اور ہیجان جذبات بھی ہے۔ جب اس کی حقیقت کی نسبت سوال کیا گیا تو صاف صاف تبلا دیا گیا کہ بے شک اس میں کچھ تھوڑا سا نفع بھی ہے۔ مگر اس سے جو نقصان مترتب ہوتا ہے وہ اس نفع سے کہیں زیادہ ہے۔ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔ اسی نقصان کثیر و عصیان کبیر کی وجہ سے یہ چیز شدید گناہ میں داخل ہے۔

اس علت ترک و اجتناب کو واضح کرنے کے بعد نماز' جو ایک مسلمان کے لئے دنیا میں سب سے زیادہ اہم ضروری اور پیاری چیز ہے (گو ہماری کج فہمی اور بدنصیبی سے وہ اس زمانہ میں ایسی نہ رہی ہو)۔ اس سے خشیات کا معارضہ اور مقابلہ کرایا گیا اور ارشاد ہوا۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى یعنی جب تم نشہ میں رہو تو نماز کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ اب مسلمانوں کے لئے یہ ایک مذہبی امتحان درپیش ہو گیا کہ انہیں انکا مذہب اور نماز پیاری ہے یا سکر و شراب۔ نماز جسے دیدہ و دانستہ ترک کرکے ایک مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا اس سے شراب کے اس مقابلے اور معارضہ نے مسئلہ کی صورت کذائی میں ایک

خاص اہمیت پیدا کردی۔ یعنی جو شراب کا استعمال کرے وہ مسجد میں نہ آنے پائے جو مسلمان کا واحد دینی و روحانی کلب اور ایسا کلب ہے جو دن بھر میں پانچ دفعہ کھلتا اور معمور ہو جاتا ہے۔

یہ ایک ایسی صورت حال تھی جو ایک مسلمان کو علاً اپنی قوم اپنے گروہ اور اپنے جتھے سے ذات باہر کرنے والی ثابت ہوتی۔ اب جو شخص مسجد میں پی کر آتا اس کا آنا ممنوع اس پر آوازے کسے جاتے اور اس کے ساتھ شدت کا برتاؤ ہوتا اور جو نہ آتا وہ اس لطف اجتماعی اور سوسائٹی سے محروم پھر اس کی نسبت یہ بدگمانی پیدا ہوتی کہ وہ ضرور کہیں پیے پڑا ہوگا۔

پرہیزگاری کی تعلیم کو اس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ موثر پیرایہ میں اور دلنشین طریقہ پر اس درجہ تک پہنچانے کے بعد اب صاف الفاظ میں فرمان قضا توامان نازل ہوا "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" یہ ایک ناپاک شیطانی کام ہے اس سے باہمی بغض وعناد جھگڑا و فساد ہونے کے علاوہ (کہ یہ ام الخبائث تمام برائیوں کی جڑ ہے) یہ چیز تمکو نماز اور یاد الٰہی سے بھی روکتی ہے۔ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ "پھر تم ہی کہو کہ ایک مسلم جس کی مایہ ناز سوشل اجتماعی زندگی میں یہ اس قدر انقلاب پیدا کرنے والی ہو وہ اس سے پرہیز کرنے اور پر حذر رہنے پر مجبور ہوگا یا اس کے خانہ خراب شوق و ذوق کو جاری رہنے دیگا؟ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ؟ کیا تم اس سے باز نہیں آؤ گے چونکہ جواب ظاہر اور بوجوہ بالا تم خود اس کے ترک و پرہیز پر مجبور ہو جاتے ہو لہذا تمہارے اس طرح قائل ہونے کے بعد فرمان ذیشان حضرت سبحان شرف صدور لاتا ہے" فَاجْتَنِبُوْهُ "آیندہ سے ہمیشہ کے لئے باز رہو۔ کہ اب یہ قطعاً حرام کر دی گئی۔ اس حکم قضا شیم کے نفاذ و اعلان کے بعد گھروں میں جو شراب رکھی ہوئی تھی اس کو فوراً موریوں سے نکل کر مدینہ کی گلیوں میں بہتے ہوئے دنیا نے دیکھ لیا۔

غور کرنے سے پہلے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ قرآن حکیم نے نماز و شراب کو ضدین اور نقیضین قرار دیا ہے

یعنی جو شراب پیے وہ نماز نہ پڑھے اور جو نماز پڑھے وہ شراب پی نہیں سکتا۔ یا اور صاف الفاظ میں جو شراب پیے وہ مسلمانوں کی دینی اور روحانی تفریح گاہ (مساجد) کی حج وقتہ لطف اندوزی سے محروم، اسلام کی اجتماعی دلچسپیوں اور اس کے روحانی کلب کی مسرتوں سے بے نصیب رہے یعنی خدا کے گھر میں قدم بھی نہ رکھنے پائے۔ یا صاف صاف یہ کہ اسلامی برادری سے نکل کر ذات باہر ہو جائے۔ چونکہ ام الخبائث تمام برائیوں کی جڑ ہے اس کے استیصال کے لئے نماز کو اس طرح پر اس کا مدمقابل ہی بنا کر نہیں کھڑا کیا گیا بلکہ نماز کو اس کے ترک و امتناع کا باعث بنا کر یہ ارشاد فرمایا کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ نماز اس کی ذمہ دار ہے کہ وہ ایک نمازی کو تمام بدکاریوں اور برائیوں سے روک رکھے۔

اس ساری روداد کا حاصل کیا اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو شراب سے نماز اور صرف نماز ہی بچا سکتی ہے؟ واضح ہو گیا کہ جس طرح شراب ام الخبائث (برائیوں کی جڑ) ہے اسی طرح نماز بھی "ام الطیبات" (ساری نیکیوں کی منبع) ہے۔ اس کی پابندی ایک مسلمان کے لئے سعادتوں کے بے انتہا خزانے مہیا کر دیتی ہے۔ اسی بنا پر حضور صاحب شریعت علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا "اَلصَّلٰوۃُ مِفْتَاحُ كُلِّ خَيْرٍ" نماز ہر نیکی کے خزانے کی کنجی ہے جو اس کا پابند ہو گا اس کے وجود سے جتنی برائیاں ہیں خارج اور جس قدر بھلائیاں ہیں داخل ہو جائیں گی۔ غرض یہی نماز ایک مسلم کی مصلح اور مفلح اور یہی اس کے واسطے ایک اخلاق آفریں نسخہ ہے جس کو اسلام نے تجویز فرمایا اور اسی بنا پر ارشاد ہوا "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔

تو کیا آج مسلمان اس نسخہ کیمیا سے غافل ہو گئے؟ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں نے نماز کو کھو کر سب کچھ کھو دیا۔ اور ساری برائیوں کو اس کی بجائے سمیٹ لیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

قرآن اور حدیث

منکرین حدیث کے مسلک پر ایک ناقدانہ نظر

(۲)

اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ہمیشہ کے لئے ہے اور جب ایسا ہے تو وہ تمام آیات اور احکام بھی ہمیشہ کے لئے ہیں جن میں آنحضرتؐ کے احکام کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہے آپ کی ذات کو اسوۂ حسنہ بتایا گیا ہے، آپ کے اتباع کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ کہا گیا ہے، اور ہدایت کا دامن آپ کی پیروی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے وَاِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (۲۴: ۷) رضائے الٰہی حاصل کرنے اور ہدایت پانے کی ضرورت جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عہد لوگوں کو تھی اسی طرح آج کے لوگوں کو بھی ہے، اور قیامت تک جو لوگ آئیں گے ان سب کو رہے گی۔ پس جب یہ دونوں چیزیں رسول اللہ کے اتباع اور آپ کے نمونۂ حیات کی تقلید کے ساتھ وابستہ ہیں تو لازم ہوا کہ سیرت نبویؐ کے وہ پاک نمونے اور زبان وحی ترجمان کے وہ مقدس احکام بھی قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہیں جن سے رسول اکرمؐ کے ہم عہد لوگوں نے ہدایت پائی تھی، ورنہ بعد کی نسلوں کے لئے ہدایت ناقص رہ جاتی۔

میں نے "ہدایت ناقص رہ جاتی" کے الفاظ بہت ہی نرم استعمال کیے، تنزیل کتاب کے ساتھ رسالت کا جو ناقابل انقطاع رشتہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے، اور اس باب میں اللہ تعالیٰ کی جو غیر متبدل سنت ابتدا سے چلی آ رہی ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے تو مجھے کہنا چاہیے تھا کہ اگر اسوۂ رسولؐ باقی نہ رہتا، اگر رسول اللہ کے احکام باقی نہ رہتے، اگر ہدایت کا وہ پاک چشمہ بند ہو جاتا جو رسول اللہ کی سیرت میں تھا، تو محض کتاب اللہ سے دنیا کی ہدایت ہی نہ ہو سکتی۔ اس لئے کہ رسالت کے آثار مٹ جانے

بعد کتاب اللہ کا باقی رہ جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے رسول کے بغیر تنہا کتاب اللہ کا نازل ہونا۔ اگر کتاب کی تنزیل کے بعد آثار رسالت کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہے تو سرے سے تنزیل کے لیے رسالت ہی کی ضرورت نہیں ہے یہ خدا کی حکمت پر کھلا ہوا طعن ہے۔ اور اگر تنزیل کے ساتھ رسالت کا ہونا لازم ہے تو یقیناً اس کے ساتھ آثار رسالت کا رہنا بھی لازم ہے۔ بغیر آثار رسالت کے تنہا کتاب اللہ موجب ہدایت نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ آپ بآسانی سمجھ سکتے ہیں اگر آثار رسالت محو ہو جاتے تو مسلمانوں کا حشر ان قوموں کا سا ہو جاتا جن کے پاس بجز افسانوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ لوگ کہتے کہ جس شخص پر تمہارے قول کے مطابق یہ کتاب نازل ہوی ہے اس کے حالات تو بتاؤ کہ ہم ان کو جانچ کر دیکھیں کہ آیا فی الواقع وہ رسول خدا ہونے کے قابل تھا بھی یا نہیں۔ مگر ہم انہیں کچھ نہ بتا سکتے۔ لوگ پوچھتے کہ تمہارے پاس قرآن کے دعوی کی تائید میں کونسی ایسی خارجی شہادت ہے جس سے تمہارے نبی کی نبوت ثابت ہو سکتی ہو؟ مگر ہم کوئی شہادت نہ پیش کر سکتے۔ ہم کو خود یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ کب اور کن حالات میں قرآن نازل ہوا؟ کس طرح اس نے دلوں کو مسخر کیا؟ کس طرح اس نے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا؟ کس طرح رسول اللہ کی شخصیت اور آپ کی پاک زندگی کو دیکھ کر لوگ فوج در فوج ایمان لائے؟ کس طرح آپ نے نفوس کا تزکیہ کیا، حکمت کی تعلیم دی اور آیات الٰہی کی تلاوت سے معرفت حق کا نور پھیلایا؟ کس طرح آپ نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں تنظیم اور اصلاح کا وہ زبردست کام انجام دیا اور شریعت کا وہ ہمہ گیر اور حکیمانہ ضابطہ بنایا جو محض انسانی عقل کے بس کا کام نہیں ہے، اور جو اس بات کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ آپ حقیقت میں اللہ کے رسول تھے؟ یہی نہیں بلکہ اگر وہ روایات نہ ہوتیں جو منکرین حدیث کے نزدیک دریا برد کر دینے کے قابل ہیں تو ہم قرآن کی سند اس کے لانے والے تک نہ پہونچا سکتے، ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ ہوتا کہ یہ قرآن حقیقت میں وہی ہے اور اسی عبارت میں ہے جس میں رسول اللہ پر نازل ہوا تھا۔ ہماری اس کتاب کی حیثیت وہی رہ جاتی جو ژند اوستا، گیتا، ویدوں اور بودھ مذہب کی کتابوں کی حیثیت ہے۔

اسی طرح ہماری مذہبی زندگی کے جتنے اعمال اور جتنے اصول و قوانین ہیں سب کے سب بے سند ہوتے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ اور دوسرے اعمال جس صورت میں ادا کئے جاتے ہیں ان کے متعلق ہم نہ بتا سکتے اور نہ خود جانتے کہ یہ سب رسول اللہ کے مقرر کئے ہوئے طریقوں پر ہیں۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ ان سب اعمال کے لئے "سنت متواترہ" کافی ہے۔ مگر مدون اور مستند روایات کی غیر موجودگی میں اس "سنت متواترہ" کی حیثیت بجز اس کے اور کیا ہوتی کہ اگلوں سے پچھلوں تک نسلاً بعد نسل ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے؟ اس قسم کی متواتر سنتیں تو ہندوؤں بودھوں پارسیوں اور دوسری قوموں میں بھی ہیں۔ وہ سب بھی یہی کہتے ہیں کہ جو عبادتیں ہم کرتے ہیں اور جو رسمیں ہم میں جاری ہیں وہ بزرگوں سے یونہی چلی آرہی ہیں۔ مگر کیا آج ان کی "سنت متواترہ" پر دنیا اور خود ان قوموں کے روشن خیال لوگوں میں یہ شک نہیں کیا جاتا کہ خدا جانے ان طریقوں کی اصل کیا تھی اور امتداد زمانہ کے ساتھ وہ کس طرح بدلتے چلے گئے؟ کیا ان تمام طریقوں پر آج رسوم پرستی (Ritualism) کی پھبتی نہیں اڑائی جاتی؟ اگر کوئی شخص ان میں کوئی تغیر کرکے کوئی نئی بدعت ایجاد کرنا چاہے تو کیا ان کے پاس اس بدعت کے خلاف کوئی حجت بجز اس ایک دلیل کے موجود ہے کہ جو کچھ باپ دادا کرتے چلے آرہے ہیں اس میں تغیر نہیں ہو سکتا؟ پھر اگر منکرین حدیث کی خواہش کے مطابق ہمارے ہاں بھی ایسی مسلسل متند اور مرتب روایات نہ ہوتیں جو ہمارے عہد سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک ہر واقعہ یا ہر قول کی سند ہم پہونچا دیتی ہیں، اور اگر ہمارے پاس بھی صرف عمل متواتر ہی باقی رہ جاتا جس کو "حق گو" صاحب "سنت متواترہ" سے تعبیر فرماتے ہیں، تو ہمارے مذہبی اعمال اور معتقدات کا حال ان طریقوں اور ان اوہام سے کچھ بھی مختلف نہ ہوتا جو ہندوؤں اور دوسری قوموں میں پائے جاتے ہیں، اور جن کو "رسوم" اور "مذہبی افسانوں" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غور کیجئے، یہ اسلام کے لئے قوت اور استحکام کا سبب ہوتا یا کمزوری و نا استواری کا سبب؟

اس بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول کا رہنا قطعاً ضروری اور ناگزیر ہے۔

اب اس سوال کی طرف آیئے کہ سنت رسول کے ہم تک پہنچنے کی صورت کیا ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد سے رحلت تک تقریباً ربع صدی کا جو زمانہ بسر کیا وہ محض قرآن پڑھنے اور سنانے میں بسر نہیں ہوا ہوگا، بلکہ آپ تلاوت آیات کے علاوہ بھی شب و روز اپنے دین کی تبلیغ اور اپنے گمراہ ابنائے نوع کی تعلیم و تلقین اور اپنی عبادات اپنے اخلاق اور اپنے اعمال حسنہ کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کی تربیت اور اصلاح میں مشغول رہتے ہوں گے، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۲:۱۸ یہ معلمانہ زندگی ایسی شدید مصروفیت میں بسر ہوتی تھی کہ آپ کو اپنے آرام کا ذرہ برابر خیال نہ تھا۔ ہر لمحہ یا تو عبادت میں بسر ہوتا تھا، یا وعظ و نصیحت، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس میں حتیٰ کہ بار بار اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا تھا کہ آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں؟ اپنے آپ کو کیوں ہلاک کئے ڈالتے ہیں؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی سرگرم معلمانہ زندگی میں آیات قرآنی کے سوا کوئی بات بھی آپ کی زبان سے ایسی نہ نکلتی تھی جو یاد رکھنے اور بیان کرنے کے قابل ہوتی؟ کوئی کام بھی آپ کی زندگی کا ایسا نہ تھا جس کو لوگ اپنے لئے نمونہ سمجھتے اور دوسروں کو اس پاکیزہ نمونے کی تقلید کا مشورہ دیتے؟ آپ کے اقوال و اعمال کے متعلق تو اہل ایمان کا اعتقاد تھا اور قرآن نے بھی ان کو یہی اعتقاد رکھنے کا حکم دیا تھا کہ آپ کا ہر ارشاد برحق ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۵۳:۱) آپ کا ہر عمل واجب التقلید ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے تو مسلمان یقیناً آنحضرت کے ہر ارشاد کو دل سے سنتے ہوں گے، ہر عمل پر نگاہ رکھتے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کے سامنے حضور کے اقوال و اعمال کے چرچے کرتے ہوں گے۔ جہاں رسالت یا کسی قسم کے تقدس کا اعتقاد نہیں ہوتا، وہاں بھی بڑے لوگوں کی باتوں اور ان کی حرکات و سکنات پر لوگ نظر رکھتے ہیں، اور ان کے اقوال و اعمال کے چرچے کیا کرتے ہیں۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ صحابہ کرام جس مقدس انسان کو خدا کا رسول اور اسلام کا کامل نمونہ سمجھتے تھے اس سے صرف قرآن سن لیتے اور اس کے

دوسرے تمام ارشادات اور اس کے تمام اعمال کی طرف سے کان اور آنکھیں بند کر لیتے۔

اس زمانہ میں فوٹوگرافی کے آلات نہ تھے کہ آنحضرت کی تمام حرکات و سکنات کے فلم لے لئے جاتے۔ نہ آواز بھرنے کے آلات تھے کہ آپ کی تقریروں کے ریکارڈ بھر کر رکھ لئے جاتے نہ مکہ و مدینہ سے اخبارات نکلتے تھے کہ روزانہ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں اور آپ کے اعمال حیات کی رپورٹیں شائع ہوتیں۔ ضبط اور نقل کا ذریعہ جو کچھ بھی تھا وہ لوگوں کا حافظہ اور زبانیں تھیں قدیم زمانہ میں نہ صرف عرب بلکہ تمام قوموں کے پاس واقعات کو محفوظ رکھنے اور بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ مگر عرب خصوصیت کے ساتھ اپنے حافظہ اور صحت نقل میں ممتاز تھے، اور ان کی یہ خصوصیت ایسی تھی کہ شاید فون کریمر کو بھی اس سے انکار نہ ہو۔ جو قوم ایام العرب، کلام جاہلیت، انساب قبائل، حتیٰ کہ اونٹوں اور گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد کرتی ہو، اور اپنی اولاد کو یاد کراتی ہو، اس سے بعید تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور آپ کے ارشادات کو یاد نہ رکھتی اور آنے والی نسلوں تک انہیں منتقل نہ کرتی۔

پھر جب آنحضرت صلعم کا وصال ہوا تو فطری بات تھی کہ لوگوں میں آپ کے احوال و اقوال کی جستجو اور زیادہ بڑھ جاتی۔ جو لوگ حضور کی زیارت اور صحبت سے محروم رہ گئے تھے، ان میں یہ شوق پیدا ہونا بالکل فطری امر تھا کہ آپ کے صحبت یافتہ بزرگوں سے آپ کے ارشادات اور آپ کے حالات پوچھیں۔ ہم خود دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی پیر مرد ایسا نکل آتا ہے جس نے پچھلی صدی کے اکابر میں سے کسی بڑے نامور شخص کی صحبت پائی ہو تو لوگ اس کے پاس جاتے ہیں اور اس کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے شمالی ہندوستان سے حیدرآباد کا سفر صرف اس غرض کے لئے کیا کہ اگر یہاں کوئی پرانا آدمی ایسا مل جائے جس نے سید جمال الدین افغانی کی صحبت پائی ہو تو اس سے سید صاحب کے حالات معلوم کریں۔ یہ معاملہ جب معمولی انسانوں کے ساتھ پیش آتا ہے تو کیا یہ ممکن تھا کہ خدا کے سب سے بڑے پیغمبر اور دنیا کے سب سے بڑے مصلح کی وفات کے بعد مسلمانوں میں اس کے حالات پوچھنے، اس کے ارشادات سے مستفید ہونے کی خواہش

نہ ہوتی؟ کیا تاریخ کے ان واقعات میں کوئی استبعاد ہے کہ لوگ جہاں کسی صحابی کی خبر پالیتے وہاں سیکڑوں میل سے سفر کرکے جاتے اور آنحضرت صلعم کے حالات پوچھتے یہی معاملہ یقیناً صحابہ کے بعد تابعین کے ساتھ اور تابعین کے بعد تبع تابعین کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔ کم از کم دو صدی تک سماعت حدیث اور نقل حدیث کا غیر معمولی شغف مسلمانوں میں پایا جانا یقینی ہے اور یہ بات نہ صرف قیاس کے عین مطابق ہے بلکہ تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔ منکرین حدیث قیاس عقلی سے تو کام ہی نہیں لیتے۔ رہی تاریخ تو وہ اس کے صرف اسی حصے کو مانتے ہیں جس سے ان کے مسلک کی تائید نکلتی ہو۔ اس کے سوا تاریخ کی جتنی شہادتیں ہیں سب ان کے نزدیک نامعتبر ہیں لیکن جن لوگوں میں انکار حدیث کے لئے ضد پیدا نہیں ہوئی ہے وہ یقیناً یہ بات تسلیم کریں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست شخصیت اور آپ کی تابناک پیغمبرانہ زندگی اتنی ناقابل اعتنا تو نہ تھی کہ مسلمانوں میں کم از کم دو سو برس تک بھی آپ کے حالات معلوم کرنے اور آپ کے ارشادات سننے کا عام شوق نہ رہتا۔ اس سے انکار کرنے کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ قرون اولیٰ کے لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اثر نہ تھا، اور وہ لوگ بھی آپ کی جانب کوئی توجہ نہ رکھتے تھے جو آپ کی رسالت کے قائل ہو چکے تھے۔ منکرین حدیث کو اختیار ہے کہ رسول اللہ کی ذات اور ان لوگوں کے متعلق جو آپ سے قریب تر تھے، یہ یا اس سے بھی زیادہ بری کوئی رائے قائم کریں، مگر ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی مسلمان تو کجا، اسلامی تاریخ اور اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والا کوئی منصف مزاج غیر مسلم بھی اس رائے کو تسلیم نہ کرسکیگا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ عہد رسالت سے دور ہونے کے بعد مسلمانوں میں بیرونی اثرات بھی داخل ہونے لگے تھے اور یہ اثرات بیشتر وہ لوگ اپنے ساتھ لائے تھے جنہوں نے عراق، ایران، شام اور مصر میں مذہب اسلام قبول کرلیا تھا، مگر قدیم مذاہب کے تخیلات ان کے ذہن سے محو نہ ہوئے تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا تھا جو اپنے دل سے گھڑ گھڑ کر باتیں نکالتا تھا اور محض لوگوں پر اثر قائم کرنے کے لئے ان اقوال کو

رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ یہ دونوں باتیں تاریخ سے بھی ثابت ہیں، اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ مگر کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں سب کے سب ایسے ہی لوگ تھے؟ سب جھوٹے اور بے ایمان تھے؟ سب ایسے منافق تھے کہ اُسی ہستی پر بہتان گھڑتے جس کی رسالت پر وہ دن بھر میں کم از کم پانچ مرتبہ گواہی دیا کرتے تھے؟ سب ایسے دشمن دین تھے کہ دنیا بھر کی خرافات لے کر رسول اللہ کے نام سے دین میں داخل کرتے اور اس کی جڑیں کاٹتے؟ یہ نتیجہ نہ عقلاً نکالا جا سکتا ہے اور نہ تاریخ اس کی تائید کرتی ہے۔ اور جب یہ صحیح نہیں ہے تو لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ پہلی صدی کے آخر سے حدیث کے ذخیرے میں ایک حصہ ایسی روایات کا بھی داخل ہونے لگا تھا جو موضوع اور بعد کی نسلوں کو جو احادیث پہنچیں ان میں صحیح اور غلط اور مشکوک سب ہر قسم کی حدیثیں ملی جلی تھیں۔

کھرے اور کھوٹے کی اس آمیزش کے بعد صحیح طریق کار کیا تھا؟ کیا یہ صحیح ہو سکتا تھا کہ آمیزش کی بنا پر صحیح اور غلط سب کو ایک ساتھ رد کر دیا جاتا، اور بعد کے مسلمان رسالت سے اپنا تعلق یکسر منقطع کر لیتے؟ منکرین حدیث اس کو ایک آسان راستہ سمجھتے ہیں۔ مگر جو قرآن پر ایمان رکھنے والے رسول اللہ کی ذات کو اسوۂ حسنہ سمجھتے تھے اور جن کے نزدیک حضور کی پیروی کے بغیر ہدایت کا میسر ہونا ممکن نہ تھا، ان کے لئے ایسا کرنا بہت دشوار تھا، اتنا دشوار جتنا کسی کے لئے برضا و رغبت آگ میں کود پڑنا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے سب کو رد کر دینے کی بہ نسبت پہاڑ کھود کر جوہر نکالنے کی مشقت کو زیادہ آسان سمجھا۔ رسالت سے اپنا اور مسلمانوں کا تعلق برقرار رکھنے کے لئے شب و روز محنتیں کیں، حدیثوں کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول بنائے، کھرے کو کھوٹے سے ممتاز کیا، ایک طرف اصول روایت کے اعتبار سے حدیثوں کی تنقیح کی، دوسری طرف ہزاروں لاکھوں راویوں کے احوال کی جانچ پڑتال کی، تیسری طرف درایت کے اعتبار سے حدیثوں پر نقد کیا، اور اس طرح سنت رسول کے متعلق ایک ایسا ذخیرہ فراہم کر دیا جس کے برابر مستند اور معتبر ذخیرہ آج دنیا میں گذشتہ زمانے کے کسی شخص اور کسی عہد کے متعلق موجود نہیں ہے۔ منکرین حدیث کو

آزادی ہے کہ ان کی ساری محنتوں پر بیک جنبش قلم پانی پھیر دیں۔ منکرین حدیث کو اختیار ہے کہ دین کے ان سچے خادموں کو وضاع حدیث، پروردگان نعم، زلہ ربایان بنی امیہ و بنی عباس، اور جو کچھ چاہیں کہیں لیکن حق یہ ہے کہ مسلمانوں پر ان محدثین کا اتنا بڑا احسان ہے کہ وہ قیامت تک اس کے بارے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ یہ انہی عاشقان رسول کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس رسول اکرم اور صحابۂ کرام کے عہد کی پوری تاریخ اپنے جزئیات کے ساتھ موجود ہے، اور وسائل بھی ہمارے پاس موجود ہیں جن سے ہم حدیث کے ذخیرہ کی جانچ پڑتال کر کے آج بھی واقعات کی صحیح صحیح تحقیق کر سکتے ہیں۔ یہ وہ ذخیرہ ہے جس پر مسلمان تمام دنیا کی قوموں کے مقابلے میں اگر فخر کریں تو بجا ہوگا۔

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ بجز متواتر روایات کے (جو بہت کم ہیں)، باقی جتنی احادیث ہیں، یقینی نہیں ہیں۔ ان سے علم یقین حاصل نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ سے زیادہ ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ پھر ایسی ظنی چیزوں پر مذہب کا مدار رکھنا کیا معنی؟ ہم کہتے ہیں کہ مشاہدۂ عینی اور تجربۂ حسی کے سوا دنیا میں کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جو مفید یقین ہو سکتا ہو۔ تواتر کو بھی محض اس قیاس کی بنا پر یقینی سمجھا جاتا ہے کہ بہت سے آدمیوں کا جھوٹ پر متفق ہو جانا مستبعد ہے لیکن خبر متواتر کے لئے جو شرائط ہیں وہ بہت کم ایسی خبروں میں پائی جاتی ہیں جن پر تواتر کا گمان ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر امور غیب میں خواہ وہ زمانہ ماضی سے تعلق رکھتے ہوں یا حال سے، ہمارے علم اور ہمارے فیصلوں کا مدار اسی ظن غالب پر ہے جو کم از کم دو شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ خود قرآن نے اس ظنی شہادت کو اتنا معتبر قرار دیا ہے کہ اس کی بنا پر ایک مسلمان کا خون مباح ہو سکتا ہے، درآں حالیکہ مسلمان کا خون اتنا محترم ہے کہ جو کوئی مسلمان کو عمداً قتل کر دے اسے خلود فی النار کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح زنا، قذف اور سرقہ کی حدود میں بھی ایسے اہم فیصلوں کا مدار صرف دو یا چار شہادتوں پر رکھا گیا ہے جن سے ایک مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا جاسکتا ہے

یا ایک مسلمان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جاسکتے ہیں۔ پس جب قرآن مجید میں غیر متواتر شہادتوں ہی پر پورے نظام عدل کی بنیاد رکھی گئی ہے تو قرآن کے مقابلہ میں کس مسلمان کو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ کسی حدیث کو حدیث رسول مان لینے کے لئے ہر مرتبہ اسنا دمیں دو یا چار راویوں کا ہونا کافی نہیں ہے؟ البتہ راویوں میں ہم ہر راوی پر اعتبار نہ کریں گے جس طرح شاہدوں میں سے ہر شاہد پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ ہم حکم قرآن کے بموجب "ذَوَا عَدْلٍ" کی شرط لگاتے ہیں، اور اسی کی تحقیق کے لئے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا گیا ہے تاکہ راویوں کے حالات کی تحقیق کی جائے۔ اسی طرح ہم راویوں پر جرح بھی کریں گے کہ حدیث کے جوہری نکات میں ان کے درمیان ایسا اختلاف تو نہیں ہے جو ان کے بیان کی صحت کو مشکوک کر دیتا ہو؟ اسی طرح ہم درایت سے بھی کام لیں گے جیسے ایک قاضی مقدمات میں درایت سے کام لیتا ہے۔ مگر جس طرح شاہدوں کے بیانات کا جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اسی طرح درایت بھی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ حدیث کو اصول درایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصول اوّلیہ کو خوب سمجھ لیا ہو اور جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہونچائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے۔ پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟ پھر جس طرح ایک معاملہ میں دو قاضیوں کا اجتہاد مختلف ہوتا ہے، اور جس طرح قرآن مجید کے معانی میں دو فاضلوں کی تفسیریں مختلف ہو سکتی ہیں اسی طرح دو محدثوں کی درایت میں بھی اختلاف ممکن ہے۔ خدا نے ہم کو انسانی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف نہیں قرار دیا ہے۔ اختلاف رائے انسانی فطرت کا مقتضیٰ ہے، اور اس کی وجہ سے نہ قرآن چھوڑا جا سکتا ہے، نہ حدیث، اور نہ عدالت کی

کرسی۔ پس ایک حدیث کے متعلق جس حد تک تحقیق انسان کے بس میں ہے، اس کا سامان محدثین نے فراہم کر دیا ہے۔ ہمارا کام اس سامان سے فائدہ اٹھا کر صحیح کو غلط سے ممتاز کرنا اور صحیح کا اتباع کرنا ہے، نہ یہ کہ صحیح و غلط کے اختلاط کو دیکھ سرے سے رسالت ہی سے قطع تعلق کر لینا۔

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو صرف تاریخ کی حیثیت سے لیں گے، حجت شرعی نہ بنائینگے مگر کیا ان حضرات نے رسولؐ کی تاریخ کو سکندر اور نپولین کی تاریخ سمجھا ہے کہ اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو؟ کیا وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اس انسان کی تاریخ ہے جس کا اتباع فرض ہے جس کی اطاعت پر نجات کا مدار ہے، جس کی سیرت مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہے؟ اس ذات پاک کی تاریخ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی۔ یا صحیح ہوگی یا غلط۔ اگر غلط ہے تو اس کو لینا کیا معنی نذر آتش کر دیجئے، رسول پر بہتان اور آپ اس کو تاریخ کی حیثیت سے قبول کریں؟ اور اگر وہ صحیح ہے تو اس کا اتباع فرض ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے اس کی پیروی سے آپ بچ کہاں سکتے ہیں؟ (باقی)۔

Registered No. M. 2950

رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۲۰)

قواعد

رسالہ "ترجمان القرآن" بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۵ ار تاریخ کو شائع ہوا کریگا مہینے کی ۲۵ تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھکر منگوا سکتے ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہونگی انکو پرچہ قیمتاً دیا جائیگا رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے۔ لہذا کوئی صاحب رعایت کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز۔

اشاعت کیلئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر چیز شائع کرے۔

منیجر "ترجمان القرآن"

خیریت آباد۔ حیدر آباد (دکن)

طابع و ناشر ابوالاعلیٰ مودودی

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد

الجہاد فی الاسلام

تالیف

ابوالاعلیٰ مودودی

مسئلۂ جہاد اسلام کے ان مسائل میں سے ہے جن پر مخالفین نے سب سے زیادہ طعن کیا ہے، اور بدقسمتی سے اسلام کے وکیل بھی دشمنوں کے حملوں سے مرعوب ہوکر سب سے زیادہ اسی مسئلہ میں قطع و برید کی ہے اب تک کسی زبان میں ایسی کوئی کتاب موجود نہ تھی جس میں جہاد کے متعلق اسلام کی صحیح تعلیم کو قرآن پاک و سنت رسول کے مطابق شرح و بسط کیساتھ پیش کیا گیا ہو اور دوسرے مذاہب اور اقوام کے قوانین جنگ سے اسلام کے قوانین جنگ کا مقابلہ کرکے اسلامی قوانین کی فضیلت ثابت کی گئی ہو "الجہاد فی الاسلام" اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے۔

١۔ **اسلامی جہاد کی حقیقت**۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم جہاد کن اہم حقائق پر مبنی ہے اور نظام تمدن میں جہاد فی سبیل اللہ کی کیا اہمیت ہے۔

٢۔ **مدافعانہ جنگ**۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن نے کن کن اغراض کیلئے دفاعی جنگ کے احکام دیے ہیں اور وہ کسقدر حق بجانب ہیں۔

(٣) **مصلحانہ جنگ**۔ اس میں اصلاحی جنگ کے متعلق اسلام کے اصول کی پوری تشریح کی گئی ہے اور ان تمام مسائل کو صاف کر دیا گیا ہے جن میں بکثرت لوگوں کو غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔

(٤) **اشاعت اسلام اور تلوار**۔ دعوت و تبلیغ کے متعلق اسلام کے اصول کی تشریح کرکے بتایا گیا ہے کہ اشاعت اسلام میں تلوار کی کیا حیثیت ہے۔

(٥) **قوانین جنگ**۔ اسلام سے پہلے دنیا میں جنگ کے جو وحشیانہ طریقے رائج تھے، ان کو بیان کرنے کے بعد تفصیل کیساتھ بتایا گیا ہے کہ اسلام نے کس طرح ان کی اصلاح کی اور جنگ کے لئے مہذب قوانین بنائے۔

٦۔ **جنگ دوسرے مذاہب میں**۔ جنگ کے متعلق ہندو مذہب، یہودی مذہب، بودھ مت اور مسیحیت کے اصول اور تعلیمات کی تشریح اور اسلام سے انکا مقابلہ۔

٧۔ **جنگ اور تہذیب جدید**۔ مغربی تہذیب کے بین الاقوامی قوانین کا مفصل بیان اور اسلامی قوانین سے انکا مقابلہ

ضخامت (٥٠٠) صفحات قیمت (للعہ) مجلد انگریزی (للعہ) سکۂ عثمانیہ۔

دفتر ترجمان القرآن سے طلب فرمائیے